بیاد:۔سلطان القلم حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

اکابر کی روایتوں کا پاسدار، قدیم وجدید تحریروں کا حسین امتزاج

جلد/۱ شمارہ/۲

ماہنامہ

المناظر

مدیر

محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی

معاون مدیر

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

مرکز اشاعت

حکیم الاسلام لائبریری بیلی پار، گورکھ پور، یوپی، پن نمبر ۲۷۳۴۱۳

آئینہ اوراق

اداریہ

بی جے پی، حالیہ انتخاب اور بھارت کا مستقبل

مدیر

''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' کا نعرہ لگا کر جب بی جے پی ۲۰۱۴ء میں کرسئی اقتدار پر فائز ہوئی، تو اس کی فکری کجروی اور سابقہ سیاہ کارناموں سے واقفیت کے باوجود، باشندگان وطن کو بالعموم اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اب شاید بھارت کے اچھے دن آئیں گے، مہنگائی کے بے لگام عفریت کو قابو میں کیا جائے گا، کرپشن کا خاتمہ ہوگا، ملک میں خوش حالی آئے گی، دہشت گردی کا سد باب ہوگا، نریندر مودی کی شکل میں ایک فعال اور مضبوط وزیراعظم کی زیرقیادت پوری دنیا میں ملک کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ لیکن مختلف دلفریب نعروں کے ذریعے پورے جاہ وجلال کے ساتھ مسند اقتدار پر براجمان ہونے والی بھارتی جنتا پارٹی نے عوام کو کلی طور پر مایوس کیا۔ متعدد مبصرین اور تجزیہ نگاروں کے بقول: اب تک کی یہ سب سے ناکام سرکار ثابت ہوئی۔ نوٹ بندی کے آمرانہ مہلک فیصلے، اور جی، ایس، ٹی کے عجلت آمیز غیر دانشمندانہ نفاذ سے ہماری معیشت پر جو منفی اثرات مرتب ہوئے، اس سے اقتصادی ترقی بالکل ٹھپ پڑ گئی، حسب وعدہ دو کروڑ روزگار کے مواقع پیدا کرنا تو دور کی بات، روزگار سے جڑے ہوئے دو لاکھ لوگوں کی نوکریاں ختم ہو گئیں، مہنگائی نے اپنے تمام تر سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے، وجے مالیا، للت مودی، اور نیرو مودی وغیرہ کا ہزار ہا ہزار کروڑ روپئے لے کر ملک سے راہ فرار اختیار کرنا ''کریلا نیم چڑھا'' ثابت ہوا اور ''نہ کھاؤں گا اور نہ کھانے دوں گا'' کے بلند وبانگ دعووں کی قلعی کھول دی، اقتدار کے ایوانوں میں موجود چند طاقتور لوگوں کے لگاتار زہریلے بیانات اور موب لنچنگ کے بدنام زمانہ شرمناک واقعات نے ملک کی روشن تاریخ میں ایک سیاہ باب کا اضافہ کیا، حتی کہ دلتوں اور اقلیتوں پر ہونے والے مظالم کی گونج ملک کی سرحدوں سے نکل کر دوسرے ممالک تک جا پہنچی، جس سے ملک کو خفت کا سامنا کرنا پڑا، رافیل سودے میں خود چوکیدار پر انگلیاں اٹھ رہی ہیں، سرحد پر ۵۶/انچ کا سینہ فیل ہو چکا ہے۔

الغرض بی جے پی کے پانچ سالہ دور اقتدار میں اچھے دن کا خواب ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے، صاحب بصیرت افراد ہی نہیں عام لوگ بھی نریندر مودی اور ان کی ٹیم کے فکری عزائم اور ملک کو چلانے کی ان کی اہلیت سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں، اسی لئے حالیہ انتخابات کو لے کر سنجیدہ حلقے شدید تشویش میں مبتلا ہیں۔ دور اندیش اور صاحب نظر افراد کا یہ عام خیال ہے کہ بی جے پی کی اقتدار میں دوبارہ واپسی، ملک کی سالمیت اور اس کے اتحاد کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ دلت، مسلمان اور عیسائیوں کو بی جے پی کی واپسی سے اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا ہے۔ خود مودی، امت شاہ اور ان کی ٹیم کے افراد کے ساتھ ساتھ ان کی سرپرست جماعت آر ایس ایس اپنے قدیم مخصوص عزائم کا برسرعام اظہار کر رہی ہے۔ موجودہ الیکشن ان کے لئے ''کرو یا

مرؤ'' کا مسئلہ بن چکا ہے، اس کے لئے جائز وناجائز ہتھکنڈے ببانگ دہل اختیار کئے جارہے ہیں، اپنے ممکنہ مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے حب الوطنی کی غلط تشریح کی جارہی ہے، ہمارے جوانوں کی شہادت کو ووٹ حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جارہا ہے''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' کے گذشتہ نعرے کو پس پشت ڈال کر ایک مرتبہ پھر ہندوتوا میں پناہ لیتے ہوئے ایک مخصوص طبقے کو باضابطہ دھمکیاں دی جارہی ہیں، تاکہ ہندو ووٹوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جاسکے، مالے گاؤں بم دھماکے کی کلیدی ملزمہ سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کو بھوپال سے پارلیمانی امیدوار بنا کر واضح طور پر یہ پیغام دے دیا گیا ہے کہ ہم اقتدار میں دوبارہ واپسی کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں، خواہ ملک کی سالمیت باقی رہے یا نہ رہے، ملک کے مایہ ناز شہیدوں کے لہو کی آبرو کا جنازہ اٹھتا ہے تو اٹھے، ہماری جبین ناز پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

پھر افسوس کا مقام یہ ہے کہ الیکشن کمیشن ایک خود مختار اور آزاد ادارہ کے بجائے پوری طرح حکومت کا مطیع وفرمابردار نظر آرہا ہے۔ موجودہ انتخابات میں ای وی ایم کی کارکردگی پر لوگوں کے شبہات بڑھے ہیں۔ وزیر اعظم کے ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے والے کرناٹک کیڈر کے آئی اے ایس افسر محمد محسن کی معطلی اور الیکشن کمیشن کی اس مشتبہ باکس کے بارے میں مکمل خاموشی، نیز وزیر اعظم کی انتخابی تقاریر میں بقول اپوزیشن: قابل گرفت نکات پر کوئی ایکشن نہ لینا، اس ادارے کے وقار کو بری طرح مجروح کررہا ہے۔

یہ الیکشن اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اس میں بھارت کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہے، کہ ہمارا یہ عزیز ملک حسب سابق سیکولر اسٹیٹ بنا رہے گا، اس کی ہزار سالہ گنگا جمنی تہذیب پروان چڑھتی رہے گی، یہاں کے باشندے آپسی پیار ومحبت سے اپنی زندگی بسر کریں گے، یا یہ ''کثرت میں وحدت'' کی اپنی خصوصی شناخت اور امتیازی پہچان سے دست بردار ہوکر فاشسٹ نظریات کو اپنالے گا؟ انسانی اقدار پر مبنی اپنی ہزار سالہ قدیم روشن تاریخ کو نظر انداز کرکے ایک خاص نظریے کے تحت چلے گا؟ یہاں رواداری کے بجائے عدم برداشت ہوگا، حب الوطنی کا پیمانہ مذہب ہوگا؟۔

موجودہ انتخابات میں ایک طرف بی جے پی اور اس کی معاون پارٹیاں ہیں جو آخر الذکر نظریے کی حامل ہیں یا اپنے سطحی مفادات کے پیش نظر اس میں معاون بن رہی ہیں، دوسری طرف کانگریس اور دوسری سیکولر پارٹیاں ہیں، جو اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود آج بھی سیکولرازم کی علمبردار ہیں، جو گاندھی، نہرو اور آزاد کے بھارت کو پرامن، متحد اور مضبوط رکھنے کی جد وجہد میں مصروف ہیں اور ''گلہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن'' کے فلسفے پر یقین رکھتے ہوئے مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کو بھارت کی سالمیت کے لئے زہر ہلاہل تسلیم کرتی ہیں۔

اب یہ ملک کے باشعور عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ سیکولر طاقتوں کو کرسئ اقتدار پر فائز کرکے گاندھی، امبیڈکر اور آزاد کے خوابوں کا عظیم بھارت بنائیں، جو باہمی رواداری اور احترام کے سنہرے اصول پر گامزن رہتے ہوئے ہمہ گیر ترقی کرے اور حسب سابق ایک بار پھر سونے کی چڑیا بن کر دنیا کے لئے قابل رشک بنے۔ اگر اس نازک موقعہ پر باشعور عوام نے غفلت کا ثبوت دیا اور سیکولر طاقتیں شکست کھا گئیں، تو خطرہ ہے کہ ملک سے نہ صرف سیکولرازم کا جنازہ اٹھ جائے گا، بلکہ ہمارے مجاہدین

آزادی کے خوابوں کا بھارت ایک خواب محض بن کر رہ جائے گا،اور تاریخ ہماری حماقت کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

☆۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔☆

ماہ مقدس ماہ صیام کی آمد آمد ہے، دنیا کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تمام ترکلمہ گو اس کا نہایت جوش وخروش سے استقبال کرتے ہیں۔اسی مبارک مہینے کی ایک مبارک شب میں کتاب ہدایت قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا،اس میں خیر وبرکت کا جس کثرت سے نزول ہوتا ہے،اس کا مشاہدہ اہل دل ہی نہیں، عام اہل ایمان بھی کھلی آنکھوں سے محسوس کرتے ہیں،اس میں برائیوں کی ترغیب دینے والے سرکش شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ خدا کے بندوں کو شر کی طرف راغب نہ کرسکیں۔اس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت، اور تیسرا اور آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے۔اس کے روزے ہر مکلّف مومن پر فرض ہیں، (جس کی جزا بروز محشر خود اللہ رب العزت اپنی شایان شان عطا فرمائیں گے)اور تراویح سنت موکدہ ہے،اس میں رحمت خداوندی اپنے پورے جوش میں ہوتی ہے، چنانچہ اجر وثواب کے اعتبار سے نوافل کا درجہ بڑھا کر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے، جب کہ ایک فرض کا ستر فرائض کے برابر۔اسی مقدس مہینے میں شب قدر بھی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل اور بہتر ہے۔

الغرض یہ نیکیوں کی فصل بہار ہے،اس کا ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔خوش قسمت ہیں اللہ کے وہ برگزیدہ بندے جو اس کی ایک ایک گھڑی کو ناپ تول کر صرف کرتے ہیں،اور تمام تر لایعنی امور سے کلی طور پر اجتناب کرتے ہوئے اس کو یاد الٰہی میں گذار دیتے ہیں،اس میں فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں، پورے آداب کے ساتھ روزے رکھتے ہیں، تراویح پڑھتے ہیں، تلاوت اور ذکر واذکار وغیرہ میں ان کا وقت صرف ہوتا ہے۔یقیناً وہ مبارکباد کے مستحق ہیں اور دنیا وآخرت کی سعادتیں ایسے ہی نیک اور مخلص بندوں کے لئے ہیں۔عام اہل ایمان کو بھی چاہیے کہ ان کے نقش قدم کی پیروی کریں اور اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ بکثرت دعا واستغفار کا بھی اہتمام کریں، حقوق العباد کے سلسلے میں بھی محتاط رہیں، غیبت، چغلخوری، بدنظری، زنا، شراب، کذب، فریب، اور دوسرے امور سیئہ سے کلی طور پر اجتناب کریں، اخیر عشرے کی طاق راتوں میں خصوصی طور پر عبادت کی جائے، تاکہ شب قدر کی برکات سے استفادہ ہو سکے۔

اللہ تعالی اس مبارک مہینے کی برکات کو ہمارا مقدر فرما کر جہنم سے خلاصی اور ہماری دائمی سعادت کا ذریعہ بنائے۔آمین

☆۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔۔☆

نقوش رحمت قسط/۱

اِنّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیُم

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

قرآن عزیز نے آیت مسطورہ بالا میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کریمانہ کی رفعت و بلندی کا تذکرہ کیا ہے۔اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے،اس لئے کہ ایک انسان کامل کا سب سے قیمتی جوہر،،اخلاق کاملہ،،ہی ہو سکتے ہیں۔اور ارشاد و ہدایت کی اساس و بنیاد اخلاق حسنہ میں سے،،خلق عظیم،،ہی پر قائم ہے۔زبان وحی ترجمان سے خود آپ ہی نے ارشاد فرمایا ہے:

انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق وفی روایة محاسن الاخلاق حسن الخلق خلق الله الاعظم (طبرانی) میری بعثت کا مقصد مکارم اور محاسن اخلاق کی تکمیل ہے۔حسن خلق اللہ تعالی کے اخلاق میں سے سب بڑا خلق ہے۔ خاتم النبیین کے ''خلق عظیم'' کے بعض تفصیلی گوشوں کو بھی مختلف آیات میں میں واضح کیا گیا ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنهم (تو اے نبی) یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ تو ان کو نرم خومل گیا اور اگر کہیں تو بد خلق سخت دل ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بچھڑ جاتے،تو تو ان کو معاف کر دے۔

یعنی خدائے تعالی کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے تم میں ایسا رسول بھیجا جو نرم خوئی اور حسن اخلاق میں اس درجہ بلند اور رفیع درجہ رکھتا ہے کہ تمہاری خطا کاریوں،غلطیوں کے باوجود وہ تم پر رحم و کرم ہی کی نگاہ رکھتا،لطف و عنایت سے گفتگو کرتا،اور عفو و درگذر کے ذریعہ تم کو نوازتا ہے،ورنہ کہیں وہ تلخ درشت مزاج ہوتا تو تم میں یہ فدا کاری،شمع پر پروانہ کی طرح جانثاری کا جذبہ اس کے لئے نہ ہوتا،بلکہ تم سب اس کے پاس سے منتشر ہو جاتے،اور اسلام کی یہ شیرازہ بندی کیسے باقی رہتی؟ یہ جو کچھ بھی ہے اس کے حسن خلق ہی کا ثمرہ ہے۔

ورحمة للذین آمنوا منکم اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں نبی ان کے حق میں رحمت ہے۔

آیت خود اپنا مطلب اور وضاحت ہے۔مومن کے ایمان اور مسلم کے اسلام کی سب سے بڑی قدر و عظمت یہ ہے کہ خدائے تعالی کا آخری پیغمبر،اولین و آخرین کا سردار ایمان والوں کے لئے رحمت ثابت ہو رہا ہے،وہ صرف رحیم نہیں ہے بلکہ سرتاپا رحمت ہے۔کریم ہی نہیں ہے،از سر تا قدم کرم ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (سورہ

توبہ) بیشک تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آیا، اس پر تمہاری تکلیف شاق ہے۔تم پر (تمہاری بہبودی کے لئے) حریص ہے۔مومنوں پر شفیق ومہربان ہے۔

ایسا نبی، ایسارسول جوتمہاری تکالیف پر دلگیر ہو،تمہاری فلاح و بہبود کا ہر وقت حریص وخواہشمند ہو، مسلمانوں اور ایمان داروں پر شفیق ومہربان ہو،تم ہی میں پیدا ہو، اور تمہارے ارشاد و ہدایت کا سامان کرے۔تمہارے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی، خوش بختی اور سعادت ہوگی۔

رحمت اس لئے رحمت ہے کہ وہ رحیم ہے، اور رافت اسی لئے رافت ہے کہ وہ رؤف ہے۔

فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذالحدیث اسفا (۱۸۵:۶) سوائے نبی شائد تو اس غم میں کہ وہ اس بات (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے ان کے پیچھے جان کھونے والا ہے۔

وہ ارشاد و ہدایت کا پیغام سنائے، اور قوم اس کو جھوٹا کہے، وہ حق کا منادی کرے اوقوم اس کو مجنوں کہے، وہ خدا کی سچی راہ دکھائے اور قوم اس کو ساحر کا خطاب دے، وہ دین و دنیا کی فلاح ونجاح کی راہ دکھائے، اور قوم اس کا مذاق اڑائے، اس کو طرح طرح کی تکالیف و ایذاء پہونچائے، لیکن اس محسن اعظم، رہبر کامل، صاحب الرشد والھدی کو دیکھیئے کہ نہ وہ قوم پر غضبناک ہوتا ہے، نہ اس کو بددعائیں دیتا ہے، بلکہ اس کے برعکس اس رنج وغم میں جان گھلائے دیتا ہے، کہ میری گمراہ قوم کیوں ہدایت کی طرف نہیں آتی، اور ظلمت شرک وکفر سے نکل کر نور ایمان سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتی؟۔

قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلمین. اے نبی کہہ دے کہ میں اس (ارشادو ہدایت) پر تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا، اور میں بناوٹی آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔

وہ تو اپنی قوم کی فلاح ونجاح میں اس درجہ مستغرق ہے کہ قوم کی ہر قسم کی ایذاءدہی، دلآزاری کے باوجود اس سے محبت، شفقت اور تواضع کے ساتھ بار بار یہ کہتا ہے کہ میں تم سے اپنی اس ہدایت فرمائی کی اجرت نہیں مانگتا، تم کیوں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہو، میں نہ بناوٹ کرتا ہوں نہ لگاوٹ، نہ اجرت کا خواہش مند ہوں نہ عوض کا طلبگار، میں تو قوم کی فلاح کا دردمند ہوں اور ان کی بہبود کا آرزومند۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی. اے نبی کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور میں غیب نہیں جانتا اور میں تم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو بس اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

میں نے تم سے کب یہ دعوی کیا کہ خدا کی خدائی کے تمام خزانے میرے قبضے میں ہیں، میں تو غیب کا بھی مدعی نہیں ہوں، اور نہ میرا دعوی فرشتہ ہونے کا ہے۔ میں تو خدا کی وحی کا پیغامبر، داعی، اور اس کی راہ کا پکارنے والا ہوں، اور اسی کی وحی کے زیر فرمان فرماں بردار ہوں۔تم مجھ کو انسانی ہستی سے برتر ہونے اور خدائی کا مالک بننے کے مطالبیکر کے غلط راہ کی جانب

کیوں جاتے ہو،اور مجھ کوصرف خدا کا پیغمبر،رسول،اور ہادی سمجھ کرمیرے کہے کوگوش دل سے کیوں نہیں سنتے ؟ میں خزائن اللہ کا مالک نہیں ہوں، بلکہ مالک خزائن السموات والارض کا نبی ہوں، میں عالم الغیب نہیں ہوں بلکہ عالم الغیب کا رسول ہوں، میں فرشتہ نہیں ہوں بلکہ فرشتوں کے خالق کا پیغامبر ہوں۔لہذا تم بھی وہی کہو جو میں کہتا ہوں، وہی باور کرو جو میں باور کراتا ہوں، اسی کوعقیدہ وایمان بناؤ جو میں تم کوسکھاتا ہوں۔

لا تستوی الحسنة و لا السیئة ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم (حم سجدہ) نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں،آپ عمدہ اخلاق کے ساتھ دشمنوں کی مدافعت کیجئے ،تاکہ وہ شخص کہ آپ اوراس کے درمیان عداوت ہے(آپ کے حسن خلق کو دیکھ کر) ایسا ہوجائے کہ گویا وہ دوست صادق ہے۔

تم برا کہو،ایذاء پہنچاؤ،مذاق کرو ہنسی اڑاؤ،تم کواختیار ہے، مجھے تو میرے خدانے یہ تلقین کردی ہے کہ میں ہر برائی کا بدلہ بھلائی کے ساتھ دوں گا،اورطعن وتشنیع،توہین وتذلیل کی شمشیر آبدار کا توڑحسن اخلاق کی ڈھال سے ہی کروں گا،تم غصہ کروگے میں صبر کروں گا،تم جہالت برتوگے میں حلم و بردباری سے کام لوں گا،تم ایذاء پہنچاؤگے میں عفوودرگذر کروں گا،تم گالیاں دوگے میں تمہاری ہدایت کے لئے دعائیں کروں گا۔مجھ سےتو میرے خدانے جبریل کے واسطے سے یہ فرمادیا ہے:

تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تعفو عمن ظلمک جومیرے ساتھ رشتہ منقطع کرلے پھراس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کر،اور جوتجھ کومحروم کرےتو اس پرنوازش وکرم کر،اور جوتجھ پرظلم کرےتواس سےعفوودرگذرفرما۔

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین اورہم نے تجھ کو(اے نبی) تمام جہانوں کے لئےصرف رحمت ہی بنا کر بھیجاہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح خدائے تعالی نے اپنی ربوبیت کوکسی خاص گروہ، خاص جماعت،اور خاص خطہ کے لئے مخصوص نہیں کیا، بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ،،رب العالمین،، کی ربوبیت عامہ کے فیضان سے مستفیض ہے،اوراپنی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کررہاہے۔اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کوبھی اس نےکسی خاص گروہ،خاص جماعت، اورخاص خطہ کے لئے نہیں، بلکہ تمام عالم اور عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔وہ،،رب العالمین،، ہےتو اس کا رسول،،رحمہ للعالمین،، ہے۔اس کی پرورش کا دسترخوان دوست اوردشمن سب کے لئے یکساں بچھا ہے۔

ادیم زمیں سفرہ عام اوست ☆ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

آیئے مکارم اخلاق کی فہرست پرایک نظر ڈالیں اورچشم بصیرت سے دیکھیں کہ،،انسان کامل،،نےعلمی وعملی طریقوں سےان کے بارے میں کس طرح ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

کظم غیظ یا غصہ پرقابو **والکاظمین الغیظ** اورغصہ کو پی جانے والے

عن ابی ھریرةؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (بخاری) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: بہادر وہ نہیں ہے جو اکھاڑے میں پہلوانوں کو پچھاڑ دیتا ہو، اصل بہادر وہ ہے جو غضب وغصہ کے وقت نفس پر قابو رکھے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال علمنی شیئا ولا تکثر علیّ لعلی اعیہ قال لا تغضب فردد ذلک مرارا کل ذلک یقول لا تغضب (بخاری، التاج الجامع للاصول) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھ کو تعلیم دیجئے، مگر زیادہ باتیں نہ ہوں تاکہ اسے یاد کرلوں۔آپ نے ارشاد فرمایا: ،،غصہ کبھی نہ کرنا،، بار بار آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔

ایک بدوی حاضر خدمت ہوا، آپ کھڑے ہوئے تھے اس نے فورا اپنی چادر کا پھندا بنا کر گلوئے مبارک کو اینٹھنا شروع کردیا، گردن اور گلے کی تمام رگیں پھول گئیں، اور تکلیف سے تمام گردن سرخ ہوگئی۔اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ان دو اونٹوں کو جنس سے لاد دے، یہ مال (بیت المال کا مال) تیری اور تیرے باپ کی ملکیت نہیں ہے۔آپ نے نرمی سے فرمایا کہ جب تک تو مجھے نہ چھوڑ دے میں تیری بات پوری نہیں کرسکتا۔اس نے کہا میں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک اپنی بات پوری نہ کرالوں۔بعض صحابہ یہ دیکھ کر ضبط نہ کرسکے، اور دوڑے کہ اس کو سختی سے ہٹائیں، مگر آپ نے روک دیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھے۔پھر آپ نے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا کہ اس کے دونوں اونٹوں کو جو اور کھجوروں سے لاد دو۔(بخاری، مسلم، ابوداود)

علاج

عن ابی قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لنا اذا غضب احدکم وھو قائم فلیجلس فان ذھب عنہ الغضب و الا فلیضطجع (ابوداؤد) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے بیٹھ جائے، اگر ایسا کرنے سے غصہ جاتا رہا فبہا، ورنہ تو لیٹ جائے۔

یعنی غضب وغصہ فرو کرنے کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس حالت میں غصہ پیدا ہوگیا ہے اس کو تبدیل کردے، اور مجلس بدل دے۔اور دوسری جگہ اس کا علاج یہ بتایا:

فاذا غضب احدکم فلیتوضاء جب تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو وضو کرنے لگے۔(ابوداود)

☆------☆------☆

بہار رمضان کی آمد

مولانا محمد عبداللہ صاحب اعظمی قاسمی
معاون ایڈیٹر: مجلّہ پاسبان

بہار کی آمد، آمد کا شہرہ ہے، آسمان سے رحمت کی بھینی بھینی پھوار پڑنی شروع ہوگئی، ملائکہ کی مقدس جماعت چمنستان عالم کو سجانے سنوارنے میں لگی ہوئی ہے، خالق کائنات کی خوشبوئے محبت فضا میں ہر طرف پھیل رہی ہے، تمام اہل دل کے سینے فرط مسرت سے بہار کی سواری کی آمد کے لیے استقبالیہ ترانے گا رہے ہیں، گناہوں کی تمازت سے مرجھائے ہوئے قلوب اور اداسی و ناامیدی کی چادر میں لپٹے ہوئے لوگوں پر باران رحمت اس طرح ٹوٹ کر برس رہی ہے کہ مایوس سسکتے ہوئے دل مغفرت کی بوندیں پی پی کر سرشار و مشکبار ہو رہے ہیں، مرجھائے ہوئے سبزے ان برکات کے فیضان سے سبز ہو رہے ہیں، آب رواں، باد صبا خوشی سے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔

فطرت نے اس بہار نو کے استقبال کے لیے چمن کی آرائش میں ہوا اور پانی سب لگا رکھا ہے تا کہ کوء آزردہ خاطر نہ رہے اس لیے ہوا دل بستہ کی خوشامدیں کر رہی ہے اس کو جھولا جھلا رہی ہے تا کہ اس کے ہونٹوں پے ہنسی کھیلنے لگے ماء رحمت کی پھواریں تمام گرفتہ دلوں کو نہلا رہی ہیں انکو غسل دے کر پاک کر رہی ہیں اور پانچ دفعہ ان پر نچھاور ہو کر اور قربان ہو کر انکی شادابی میں اضافہ کر رہا ہے۔ کیونکہ رمضان المبارک کی بہار کا روح افروز دور آنے والا ہے، جس میں عاصیوں کے زخم زخم دلوں پر مغفرت کا مرہم لگایا جائے گا جس میں عدو مبین کو پابند سلاسل کر کے اشرف المخلوقات کے سر پر اپنے رضوان مقصود کا تاج رکھا جائے گا، جس میں غنی مطلق کے دربار عالی سے سراپا محتاج کو مالا مال و نہال کیا جائے گا، جس میں گناہوں میں لت پت بندے کو قلزم رحمت میں غوطے لگوا کر خلعت تقوی سے مزین کر کے باب ریان پر خوش آمدید کہا جائے گا، اس آمد طرب میں درختوں کے پتے ہواؤں کے جھونکوں سے تالیاں بجا رہے ہیں، آبشاروں کا پانی بلندیوں سے کود کر اپنی مسرت کا اظہار کر رہا ہے ..

جب بندے نے فیضان محبت اور بخشش شہنشاہ کا یہ بے لوث نظارہ دیکھا تو ساقی کی چشم ناز کی شہ پا کے بول اٹھا، اے مبدا فیاض! اے عظمتوں کے مالک! میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور اس مہینے کی تعداد اس کے مقابلے میں تھوڑی کچھ ایسا کرم کر کہ اس کی تکمیل کی بجا آوری مژدہ ءنجات ہو جائے، ارشاد عالی ہوتا ہے، کہ اے میری بحر رحمت کے متلاشی اگر تو اس اس ماہ کرم نواز میں ایک عمل میری رضا کے لیے کرے گا تو میں اسکی قیمت ستر کے بقدر لگاؤنگا اور اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ جب تو میری رحمت کو آواز دیگا تو تیرے روئیں روئیں کو سرشار کر کے رہوں گا، وہ اس طرح کہ اس مقدس مہینے میں ایک رات ایسی بناؤنگا کہ اگر تیری جبین نیاز میں اس رات سجدے مچل گئے تو ہزاروں سال کی عبادت مقبولہ کا ثواب عنایت کر دونگا اور سب سے بہتر لباس

لباس تقوی پہنا کر تجھے جنت میں داخل کرونگا، کیونکہ۔۔۔ولباس التقوی ذالک خیر.

تقوی

ہر عبادت کا مقصد تقوی ہے وہ اس لیے بغیر تقوی کے بہشت دل بریں کے ناز ونعم سے لطف اندوز ہونا ناممکن ہے کلام معجز بیاں کا اعلان ہے۔

یاایھاالذین آمنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الّذین من قبلکم لعلکم تتقون.

اے میری ذات پر یقین رکھنے والوں تم پر روزے کو فرض کر دیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ (سورۃ البقرۃ آیۃ۱۸۳)

یاایھا الناس اعبدو ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (سورۃ البقرۃ آیۃ ۲۱) اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

لن ینال اللہ لحومھاولادمائھا ولکن ینالہ التقوی منکم (سورۃ الحج آیۃ 37) رب کریم تک نہ تو جانور کا خون پہنچتا ہے نہ ہی اس کا گوشت اس کے پاس تو محض تقوی پہنچتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** (سورۃ الحج آیۃ۳۲)

ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا (سورۃ مریم آیۃ۷۲) پھر ہم نجات دینگے متقیوں کو اور ظالموں کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دینگے۔

یقیناً جب تاریکی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اس وقت تو روشنی اس کا سب سے بڑا انقلاب قرآن مقدس کی شکل میں اسی مبارک مہینے میں رونما ہوا، جس سے کفر کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور تاریک کوچے انوار ربانی سے منور ہو گئے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدا للناس وبینات من الھدی والفرقان (سورۃ البقرۃ آیۃ ۱۸۵) ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی حق و باطل تمیز کی نشانیاں ہیں۔اے میرے رب تو اس مقدس مہینے میں مجھے بھی اپنی عطائے بے بہا سے سرفراز فرما اس مضمون کے لکھنے پڑھنے والوں کو عمل کا جزبۂ تاباں اور رضوان حق کے طمغہ ءزریں سے سرشار کردے چار دن کی اس مختصر حیات میں ہم سے وہ کام لے جو تیری ملاقات کے وقت مجھے خوش کر دیں، وہ زندگی جو ہم نے غفلت میں گزاری ہے اسکی تلافی کا سامان پیدا فرما، یہی دل کی صدا ہے تو دل کی صداؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے میرے رب اس صدائے دل کو قبول فرما۔آمین

☆------☆------☆

قسط/۱

اسلامی حکمرانوں سے مسلمانوں کی بے جا شکایت

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

سوچنے سے نہ کبھی منع کیا گیا ہے اور نہ منع کیا جا سکتا ہے، سوچنا اگر چھوڑ دے تو انسان، انسان ہی کب باقی رہتا ہے، اس کے بعد تو وہ زندہ جانوروں کی بھیڑ میں شریک ہو جاتا ہے، لیکن صحیح سوچ بچار یا فکر و نظر کو چاہئے کہ ہمیشہ واقعات کے تابع ہوں، جان بوجھ کر دلائل کو ایسے مقدمات سے مرتب کرنا، جن میں قصداً بعض حقائق و واقعات سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہو، دنیا کی ہر منطق اس قسم کے دلائل کو مسترد کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔

یورپ والے بے چارے تو ایک حد تک معذور بھی ہیں؛ کیونکہ حقائق و واقعات کی صف میں، صرف مخلوقات کو مان کر، خالق کے وجود سے اپنے دل و دماغ کو انہوں نے خالی کر لیا ہے، بقول اقبال مرحوم

پا بزندان مظاہر بستہ ئی   از حدودِ حس برون ناجستہ ئی

یہی ان کی فکری تعمیر کی بنیادی اینٹ ہے، یا ''ظاھرا من الحیاۃ الدنیا'' ہی میں الجھ کر جن کی دانائیاں پھڑ پھڑا رہی ہوں، ان سے اس کی توقع ہی کیوں کی جائے، کہ اس ''الاولیٰ'' کے لئے ''الآخرۃ'' کا خیال بھی ان کے سامنے آئے گا۔

خدا اور خدا کی کارفرمائیوں سے قطع نظر کر کے، اگر وہ سوچتے ہیں تو جن کے قلوب حق کی روشنی سے محروم ہیں، آپ ہی بتائیے کہ آخر وہ اس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔

لیکن مجھے تعجب تو مسلمانوں پر ہے، ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اب تک اس بیعت کو نہیں توڑا ہے، جو انہوں نے اور ان کے باپ داداؤں نے محمد رسول ﷺ کے دست حق پرست پر کی تھی، وہ اپنے فکری و عملی نظام میں بھی اور عملی زندگی میں بھی اسی عہد و پیمان کے ساتھ جی رہے ہیں کہ اسی کو واقعہ یقین کریں گے، جسے محمد رسول ﷺ نے واقعہ قرار دیا ہے، اسی کو حقیقت تسلیم کریں گے، جسے حضور ﷺ نے باور کرایا ہے کہ وہی حقیقت ہے؛ مگر جب تک سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، وہ بھی مانتے اور یہی جانتے ہیں؛ لیکن حافظہ کی اس کمزوری کا کوئی علاج ہے کہ جوں ہی سوچنے اور سمجھنے کی کوئی مہم پیش آتی ہے، ضرورت ہوتی ہے کہ فکر و تأمل سے کام لیا جائے، تو اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں میں اکثروں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح سوچنے لگے، جیسے حقائق و واقعات کے سلسلے میں خدا کا انکار کرنے والا یا نہ ماننے والا سوچتا ہے، اسباب و علل کی طویل و عریض زنجیر کی

ایک ایک کڑی پران کی نظر پڑتی ہے، آگے پیچھے جو کچھ دیکھا جا سکتا ہے، دائیں بائیں جو کچھ سوچا جا سکتا ہے، سمجھا جا سکتا ہے، سب کوٹٹو لتے ہیں اور سب کو پرکھتے ہیں؛ لیکن فکر ونظر کے اس عمل میں ان کے حافظے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہی نکلا ہوا ہے، جس پر چاہیئے تھا کہ سب سے پہلے نظر ان کی پڑتی۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ اور مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (خدا کی قدر جیسی چاہیئے ہے انہوں نے نہ کی، تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے وقار اور وزن سے لونہیں لگاتے)

اس لحاظ سے میں مسلمانوں کے افکار وتغیرات اور ان سے نکالے ہوئے نتائج کا موازنہ حیران دماغوں اور دلوں کے افکار ونظریات کے نتائج سے کرتا ہوں، جن میں خدا اور خدائی کارفرمائیوں کا کوئی وزن باقی نہیں رہا ہے، تو دونوں میں مجھے کسی قسم کا کوئی فرق اور امتیاز نظر نہیں آتا۔

اسی مسئلہ کو دیکھئے جس کا اجمالی تذکرہ اس وقت کرنا چاہتا ہوں، بعض عصری مصائب میں مبتلا ہو کر مسلمانوں کی عمومیت میں ایک عام چرچا کچھ دنوں سے جس کا پھیلا ہوا ہے، یعنی گذشتہ اسلامی حکمرانوں اور فرماں رواؤں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ باوجود اختیار واقتدار کے، انہوں نے اپنے مقبوضہ ومفتوحہ ممالک میں، غیر مسلم عناصر اور طبقات کو باقی رہنے کا موقع کیوں عطا کیا، تعبیری ردوبدل کے ساتھ اسی مقصد کو کبھی ان الفاظ میں بھی ادا کیا جاتا ہے کہ اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں بھی اسلامی سلاطین اور بادشاہوں نے جتنی توجہ کرنی چاہیئے تھی، نہ کی، مطلب کہنے والوں کا یہ ہوتا ہے کہ غیر اسلامی قوتوں کے ساتھ جس قسم کی مہیب کش مکش میں آج مسلمان الجھ گئے ہیں، یہ صورت ہرگز نہ پیش آتی، اگر اپنے مطلق العنانہ اختیار واقتدار سے ہمارے گذشتہ سلاطین وملوک کام لیتے۔

میں اسی عام چرچے کے متعلق اس وقت کچھ کہنا چاہتا ہوں، یہ مسئلہ کہ غیر اسلامی عناصر سے پاک ہو جانے کے بعد، جس بہشتی زندگی کا تصور موجودہ زمینی زندگی میں لوگ کر رہے ہیں؛ اگر چہ بجائے خود غور طلب ہے اور غور طلب کیا، حجاج بن یوسف اور ابومسلم خراسانی، تیمور لنگ اور ان جیسے ظلمہ کے عہد میں جن تجربات سے مسلمانوں کو گذرنا پڑا ہے، ان کو جانتے ہوئے یہ توقع خود ہی سوچنا چاہیئے کہاں تک صحیح ہوسکتی ہے کہ مصائب کے جن ہولناک طوفان میں اس وقت وہ گھر گئے ہیں، ان میں وہ نہ گھرتے؛ اگر ہمارے گذشتہ سلاطین وملوک اپنے غیر مسئول اقتدار سے کام لے کر صرف مسلمانوں کے لئے زمین کے ان خطوں کو مختص کر دیتے جن میں وہ آج آباد اور پھیلے ہوئے ہیں، اس بحث کو خیر جانے دیجئے، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سلاطین اسلام کے متعلق یہ عام شکایت جو مجلسوں میں کی جاتی ہے، شکایت کرنے والوں کی اس سے آخر مراد کیا ہے؟

کیا جبر اور زور سے اسلام کے قبول کرنے پر چاہتے ہیں کہ ہمارے سلاطین لوگوں کو مجبور کرتے اور اس جبر واکراہ کے بعد بھی جو انکار پر اصرار کرتا، محض اس لئے کہ ان سے زمین پر کوئی پوچھنے والی بالاتر قوت انسانی گروہوں میں باقی نہیں رہی تھی، اس لئے ان انکار کرنے والوں کا صفایا کر دیا جاتا۔

اسلام کوخدائی دین ماننے والوں کوسوچنا چاہئے کہ کیا اس خیال کی گنجائش کسی حیثیت سے بھی ان کے قلب میں پیدا ہو سکتی ہے؟ اسلامی سلاطین تو بیچارے جاچکے، آج بھی میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ خود اسلام نے ان کے اندر اس خیال کے لئے کوئی جگہ کیا باقی رکھی ہے؟ پھر وہ ایسی باتیں کیوں بولتے ہیں جنہیں وہ خود سوچ بھی نہیں سکتے؟

خود ہی بتائیے کہ جبراً کسی کو اسلام کے قبول کرنے پر آمادہ کرنا کیا یہ اسلام کے قبول کرنے کا مطالبہ ہوگا یا یہ کفر کی بدترین قسم نفاق پر مجبور کرنے کی عملی تدبیر ہوگی؟ میں نہیں جانتا کہ کافر ہی نہیں؛ بلکہ منافق بنانے کی اس مہم کی سرانجامی کی صلاحیت باوجود مسلمان ہونے کے کوئی اپنے اندر کیسے رکھ سکتا ہے یا ہم میں ایسا کون ہے جو کسی کو کافر بننے پر مجبور کرنے کی ہمت کر سکتا ہے، پھر منافق کا مقام تو کافر سے بھی فروتر ہے، ہم جب کسی کو کافر بننے پر مجبور نہیں کر سکتے ہیں، تو منافق بننے پر بتایا جائے کہ کیسے جبر کر سکتے تھے یا آج کر سکتے ہیں؟

رہ گیا نہ ماننے والوں کا صفایا، یہ سچ ہے کہ جن کی فکری تجویزوں میں خدا اور خدائی تعلیمات شریک نہیں ہیں، جب ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس قسم کے اعمال کے ارتکاب کی جسارت کر گزرتے ہیں، ان کے اگلوں نے بھی اس پر عمل کیا ہے اور ان کے جو پچھلے ہیں، اپنے اگلوں کے ان سیاہ اعمال کو سلف کے زریں کارناموں میں شریک کر کے ایسی حرکتیں اب بھی کر رہے ہیں، ان کے بڑے، چھوٹوں کو اس قسم کے قصے مزے لے لے کر سناتے ہیں کہ پیڑ جڑ سے اکھاڑ کر فلاں مذہب والوں کو فلاں ملک سے ہم نے ختم کر دیا؛ لیکن محمد ﷺ کو اللہ کا رسول جن بادشاہوں نے مانا تھا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان غریب بادشاہوں سے توقع کرنے والے، صفایا کے اس عمل کی توقع آخر کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟ پکار رہے تھے، رسول اللہ ﷺ عبداللہ ابن ارقم صحابی کو اور پکار پکار کر فرما رہے تھے جب وہ کچھ دور جا چکے تھے کہ دیکھنا! خبردار! خبردار! جن لوگوں سے امن کا عہد کر لیا گیا ہے، ان پر ہرگز ہرگز ظلم نہ ہونے پائے، دیکھو ان کی برداشت اور تحمل سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالا جائے اور ان کی رضامندی کے بغیر ان کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے، خبردار جو ایسا کرے گا،

فانا حجیجه یوم القیامة (۱) میں اس پر قیامت کے دن دعوی کروں گا اور اس سے لڑوں گا۔

یہی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ حق تعالی کی آخری عدالت میں محمد ﷺ کا مدعی علیہ بن کر پیش ہونے کی طاقت کیا مسلمانوں کے بادشاہوں میں تھی، میں مانتا ہوں کہ وہ معصوم نہ تھے، ان میں ایسے بھی گزرے جن پر اسلام کی طرف سے بہت الزامات عائد ہو سکتے ہیں اور بہتوں کے قرارداد جرم کی فہرست بہت طویل ہے؛ لیکن یہ سب کچھ سہی پر جو جرم ایسا ہو کہ خود پیغمبر نے مدعی بن کر اس کے مقابلہ میں کھڑے ہو جانے کی دھمکی دی ہو، سوچنے کی بات ہے کہ اس نظارے کے برداشت کی تاب بتایا جائے کہ آخر ان بیچاروں میں کیسے پیدا ہوتی؟

اسلامی حکومت کے نظام کو عملی قالب میں ڈھال کر پیش کرنے والے فاروقؓ کی سانس اکھڑ رہی ہے اور راکھڑی ہوئی

(۱) ابوداؤد میں اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں، طبرانی میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس پر میں دعویٰ کروں گا اسے ہارنا پڑے گا، کنز العمال ص ۱۷۲ ج ۲/

سانسوں،ہچکیوں میں ان کی یہ آواز کانوں میں گونج رہی ہے۔

''جن غیر مسلموں کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لی ہے،ان کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں،ان سے جو عہد کیا گیا ہے،اس کو پورا کیا جائے،ان کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان پر حملہ کرنے والوں سے جنگ کریں اور جس بار کو وہ برداشت نہ کر سکتے ہوں،ہرگز ایسا بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے''

آپ کو اس کا افسوس ہے کہ ان کا صفایا کیوں نہ کر دیا اور یہاں حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب تک اسلامی قلمرو میں وہ مقیم ہوں، اس وقت تک اسلامی بیت المال سے ان کے معذوروں،مجبوروں اوران کے بال بچوں کی پرورش کی جائے،

قاضی ابو یوسفؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ

عیل من بیت مال المسلمین عیاله ما اقام بدارالھجرة و دار الاسلام (کتاب الخراج ص/۱۴۴)اسلامی قلمرو کے غیر مسلم لوگوں میں جو معذور ہوں،ان کے مصارف کا بار اسلامی بیت المال برداشت کرے،ان کا بھی اوران کے اہل و عیال کا بھی،جب تک دارالہجرت اور اسلامی قلمرو میں وہ مقیم رہیں گے۔

قرآنی آیت جس میں ''الصدقات'' کے مصارف بتائے گئے ہیں،اسی کی تفسیر کرتے ہوئے فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا کہ

الفقراء ھم المسلمون وھذا من المساکین، (کتاب الخراج ص/۱۲۶)فقراء سے مراد تو مسلمانوں کے محتاج لوگ ہیں،مساکین سے مراد غیر مسلموں کا وہ طبقہ ہے اسلامی حکومت نے جس کی ذمہ داری لی ہے،اور وہ کمانے کے قابل نہ رہا۔

اور جان و مال تو خیر بڑی چیزیں ہیں،آپ کو اسلامی قانون کے دفعات کا علم ہوتا تو یہ بات بھی آپ کے علم میں آتی کہ اسلامی قلمرو میں رہنے والے غیر مسلم باشندوں کی عزت وآبرو تک کے متعلق یہ حکم ہے کہ جیسے کسی مسلمان کی ہجو حرام اورنا جائز ہے، اسی طرح حرام ہے کہ کسی غیر مسلم باشندے کی ہجو میں کوئی لفظ منہ سے نکالا جائے،فقہاء نے لکھا ہے کہ

والھجاء لمسلم او ذمّی،(شرح ہدایہ ج/ا ص/۳۶)مسلمان یا غیر مسلم باشندے کی ہجو گوئی بھی حرام ہے۔

اور صرف زندگی ہی کی حد تک احترام کا یہ قانون محدود نہیں ہے، بلکہ

عظامھم لھا حرمة اذا وجد ت فی قبورھم کحرمة عظام المسلمین حتی لا تکسر؛ لان الذمّی لما حرم ایذاؤہ فی حیاته لذمته فتجب صیانة عظمه عن الکسر بعد موته (البحر الرائق ج/۲ ص/۲۱۰)اسلامی قلمرو کے غیر مسلم باشندوں کی ہڈیوں کا بھی احترام کرنا چاہئے؛اگر ان کی قبر میں وہ پائی جائیں،اسی طرح احترام کرنا چاہئے،جیسے مسلمانوں کے مردوں کی ہڈیوں کا احترام کیا جاتا ہے،چاہئے کہ غیر مسلم مردوں کی ہڈیوں کو توڑا نہ جائے،کیوں کہ اسلامی حکومت نے جس غیر مسلم کی ذمہ داری لی ہے جیسے زندگی میں اس کو دکھ دینا حرام ہے اسی طرح واجب ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کی ہڈی کو توڑنے کی اہانت سے بچایا جائے۔

قسط ۱/۱

صحابہ کرام کا مقام عظمت

محمد سعید اللہ مہراج گنجی
مدیر: ماہنامہ المناظر

مؤرخین کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے پاکیزہ اور نوع انسانی کے لئے باعث صد افتخار حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طبقہ ہے۔ یہ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کے اندر پیغمبر کے تزکیہ و تربیت کی بدولت متضاد کمالات اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ اگر تاریخ شہادت نہ دیتی، اور تواتر سے یہ بات منقول ہوتی نہ چلی آتی تو اس پر یقین کرنا بھی دشوار ہوتا۔

قابل غور ہے کہ ایک وہ دور تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل اقوام عالم میں ان کا کوئی مقام و مرتبہ نہ تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صورتِ حال یہ ہوگئی کہ تمام تر کمالات انہیں پر ختم ہونے لگے۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو صدقِ دل سے قبول کر کے بتمام و کمال اس پر اس طرح جم گئے کہ بڑے سے بڑا طوفان ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکا، خوفناک زلزلے آئے، مصائب و حوادث کا طوفانِ تندو تیز آیا، دوست دشمن ہو گئے، موافق مخالف بن گئے، حتی کہ اپنے پیارے وطن کی مقدس سرزمین نہ صرف ان پر تنگ کر دی گئی، بلکہ ان کے خون کی پیاسی بھی نظر آنے لگی۔ لیکن یہ تمام حوادث واقعات بھی ان کے عزم و ثبات میں ذرہ برابر تزلزل پیدا نہ کر سکے، وہ لوگ حق و صداقت کے لئے اپنا تن من دھن قربان کرنے کا عزم مصمم کر کے میدان عمل میں آئے، اور جتنی بھی قربانیوں کی ضرورت پیش آئی بصد مسرت دی، مگر جادۂ استقامت سے بال برابر بھی نہ ہٹے۔ تاریخ ان کے خلوص و للّہیت، عزم و استقلال، تقوی و طہارت، جاں نثاری و جاں سپاری، اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے ان کی عدیم المثال قربانیوں کا صداقت پر مبنی جو محیر العقول نقشہ پیش کرتی ہے، اس کو دیکھ کر عقیدت کیش اور وفا شعار ہی نہیں بلکہ اعداء بھی خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ: یہ انہیں اولوا العزم حضرات کا حصہ تھا۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء**

اسی لئے اہل سنت والجماعت کے تمام سلف و خلف کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت کرنا، اور ان کا ظاہری و باطنی طور پر عملاً احترام کرنا، صحابہ سے بغض رکھنے والوں سے بغض و عداوت رکھنا، صحابہ کے باہمی ظاہری اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا، اور ہر قسم کی منفی رائے دہی سے اجتناب کرنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام صحابہ مجتہد ہیں، اور اللہ کے یہاں انتہائی معزز اور اجر و ثواب والے ہیں، اور ان کی سیرت و کردار کو زبانی و عملی طور پر اپنانا ہر مسلمان پر فرض واجب ہے۔ (امام حرم ڈاکٹر اسامہ بن عبد العزیز)

امام ابو بکر الآجری نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

اصحاب تھے، وہ اس امت کے سب سے زیادہ نیک دل تھے، سب سے گہرا علم رکھنے والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے وہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے دین کو سرفراز کرنے اور اپنے نبی کی صحبت کیلئے منتخب کیا، ان کے اخلاق و اطوار کو اختیار کرو، رب کعبہ کی قسم وہ صراط مستقیم پر تھے۔ کتاب الشریعہ ج ۱/ص ۱۶۸۶/

جماعت صحابہ میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص وتحقیر پوری جماعت کی تنقیص وتحقیر ہے، کیونکہ یہ صحبت نبوت کی تنقیص و تحقیر ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد ہدف ملامت نہ بنالینا، پس جسنے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھے سے بغض کی وجہ سے بغض رکھا۔ الحدیث

امام المفسرین علامہ قرطبی تفسیر قرطبی ج ۱/ص ۳۲۲/ پر رقم طراز ہیں: یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے، اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا، اور ان سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی دی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں، اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات میں کفّ لسان کریں، اور ہمیشہ انکا ذکر بہتر طریقہ پر کریں، کیونکہ صحابیت بڑی حرمت وعظمت کی چیز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے، اور خبر دی ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں معاف کر رکھا ہے، اور ان سے راضی ہے۔

بحوالہ معارف القرآن ج ۸/

علامہ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں: جو شخص حضرات صحابہ پر طعن کرتا اور سب وشتم کرتا ہے، وہ دین سے خارج اور ملت اسلام سے الگ ہے، کیونکہ ان پر طعن کرنا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے حق میں برائیوں کا اعتقاد ہو اور دل میں ان سے بغض پوشیدہ ہو، اور اللہ تعالی نے قرآن میں جو ان کی تعریف کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جو فضیلت و بڑائی بیان کی ہے اس سے انکار ہو۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چوں کہ دین کے پہنچانے والے اور اس کا بہترین ذریعہ ووسیلہ ہیں، اس لئے ان پر طعن کرنا گویا اصل دین پر طعن کرنا ہے، اور ناقل ومنقول کی توہین کرنا ہے۔ الکبائر ص ۱۴۵/

نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واضح اور آشکار مسائل میں سے ایک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تمام خوبیوں کو بیان کرنا، ان کی غلطیوں اور آپس کے اختلافات کو بیان کرنے سے گریز کرنا۔ لہذا جو شخص کسی بھی صحابی کی شان میں گستاخی کرے، برا بھلا کہے اور طعنہ زنی کرے، یا کسی صحابی کی عیب جوئی کرے تو وہ شخص بدعتی، رافضی اور اہل سنت کا مخالف ہے۔ اللہ تعالی (قیامت کے دن) نہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، نہ کوئی فدیہ اور کفارہ اس کی جان چھڑا سکے گا، اس کے برعکس صحابہ کرام سے محبت سنت اور ضروری ہے، ان کے لئے دعا کرنا قرب الہی کا باعث ہے، ان کی پیروی باعث نجات ہے، اور ان کی راہ پر چلنا فضیلت شمار ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سب سے اچھے لوگ تھے، کسی انسان کے لئے مناسب نہیں کہ انہیں گالیاں دے، یا عیب جوئی کرکے ان کی شان میں گستاخی کرے اور انہیں گندی زبان سے یاد کرے۔ کتاب السنہ ص ۵/

صحابہ کرام اسلام کی ایک ایسی بیش قیمت اور زرّیں زنجیریں ہیں، کہ اگر اس کے ایک حلقہ (کڑی) کو بھی جدا کر دیا جائے تو سارا دین غیر مستند قرار پائیگا، ہمارا علمی تفوق و بالا دستی اور اسلامی تہذیب وتمدن کا سارا ذخیرہ ملیا میٹ ہوکر رہ جائے گا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں: صحابہ کرام ایمان کی کھیتی، نبوت کی فصل، دعوت اسلامی کا ثمر اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان کارنامہ ہیں، ان کی سیرت واخلاق میں جو حسن نظر آتا ہے وہ نبوت محمدی کی جلوہ سامانیوں کا پرتو ہے، ان سے زیادہ عظیم الشان اور تابناک تاریخ کسی دوسرے طبقے کی ملنی مشکل ہے۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی معرفت کے لئے صحابہ کرام ہی کی زندگی معیار بن سکتی ہے، کیونکہ یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں جنہوں نے دامن رسالت میں رہتے ہوئے براہ راست مشکوۃ نبوت سے استفادہ کیا، جس کی برکت سے کیفیتِ ایمانی کے اس کمال درجہ پر فائز ہوگئے، جس کا تصور بھی بعد والوں کے لئے ممکن نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ رکھ کر ان کو بھی عام انسانوں کی طرح خاطی وعاصی تصور کر کے غیر معتبر قرار دیا جائے تو اسلام کی پوری عمارت ہی منہدم ہو جائے گی۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت معتبر رہے گی، نہ قرآن اور اس کی تفسیر وحدیث کا اعتبار رہے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ من جانب اللہ ہم کو عطا کیا ہے، وہ ہم تک صحابہ کرام ہی کی معرفت پہنچا ہے، صحابہ پوری امت کے محسن ہیں، وہ علوم نبوت کے وارث، کمالات رسالت کے آئینہ دار، اور شریعت کے مسائل و دلائل اور حقائق وآداب کے سچے ترجمان ہیں، ان پر نقد خود صاحب شریعت پر نقد ہے، جس طرح اللہ تعالی نے ختم رسالت کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا، اسی طرح آپ (ﷺ) کی رفاقت کے لئے صحابہ کرام بھی منجانب اللہ منتخب ہیں۔ قرآن وسنت میں جا بہ جا ان کے مقام بلند کی طرف صریح اشارہ ہے، اور بحیثیت طبقہ رضا کا پروانہ اور دنیوی واخروی فوز وفلاح اور کامرانی کی بشارتیں ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے معدودے چند آیات واحادیث مختصر وضاحت کے ساتھ سپرد قرطاس کر رہے ہیں۔

صحابہ کا مقام قرآن میں

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله و رضوانا ، سيما هم في وجوههم من اثر السجود ذلک مثلهم في التوراة و مثلهم في الانجيل كزرع اخرج شطئه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا و عملوا الصالحات فمنهم مغفرة و اجرا عظيما. سوره فتح / آيت / ۲۹

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں، تم ان کو رکوع وسجدے میں دیکھوگے، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے خواہاں ہیں، ان کی (عبدیت) کے آثار سجدہ کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، ان کے یہ اوصاف توریت میں ہیں۔ اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے جیسے کھیتی اس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس سوئی کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنا پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ (اپنے

ہرے بھرے ہونے کی وجہ سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ کرام میں اول ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور انہیں یہ ترقی اس لئے دی گئی) تا کہ ان کی اس حالت سے کافروں کو جلن ہو،اور اللہ تعالی نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کا سب سے پہلا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں، کفار کے مقابلہ میں سخت ہونا ان کا ہر موقعے پر ثابت ہوتا رہا ہے کہ نسبی رشتے ناطے سب اسلام پر قربان کر دیئے اور حدیبیہ کے موقع پر خصوصیت سے اس کا اظہار ہوا۔اور آپس میں مہربان ہونا بطور خاص اس وقت ظاہر ہوا جب مہاجرین وانصار میں مواخات ہوئی،اور انصار نے اپنی سب چیزوں میں مہاجرین کو شرکت کی دعوت دی۔الغرض یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی دوستی ودشمنی،محبت یا عداوت کوئی چیز اپنے لئے نہیں ہوتی، بلکہ سب اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لئے ہوتی ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جو ایمان کامل کا اعلی مقام ہے۔بخاری شریف کی روایت ہے،،من أحب لله و أبغض لله فقد استكمل إيمانه،،یعنی جو شخص اپنی محبت اور بغض وعداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ رکوع وسجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں،ان کو دیکھنے والے اکثر ان کو اسی کام میں مشغول پاتے ہیں۔ پہلا وصف کمال ایمان کی علامت ہے اور دوسرا وصف کمال عمل کا بیان ہے، کیونکہ اعمال میں سب سے افضل نماز ہے، **سیماهم** یعنی نماز ان کا ایسا وظیفۂ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدے کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہیں۔ ان آثار سے مراد وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع وخضوع کی وجہ سے ہر مومن متقی کے چہرے پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔

معارف القرآن ملخصاً ج ۸/ص ۹۲۔۹۳

ذلک مثلهم موجودہ توریت میں متعدد تحریفات وتصرفات کے بعد بھی یہ الفاظ باقی رہ گئے ہیں: فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔(استثناج ۲/ص ۲۳) فاران مکہ معظّمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے اور فتح مکہ کے وقت دس ہزار اصحاب آپ کے جلو میں تھے۔اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔(ایضاً) یہ اشدّ اءعلی الکفار کا نمونہ ہے۔ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے(ایضاً) یہ **رحماءُ بینهم** کی تفسیر ہے۔اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں،اور تیری باتوں کو مانیں گے۔قرآن کی عبارت اوپر مذکور ہے: **رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله و رضوانا . و مثلهم فی الانجیل** موجودہ محرف ومسخ شدہ انجیل میں بھی یہ عبارتیں موجود ہیں۔

آسمان کی بادشاہتیں اس رائی کے دانے کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاری سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں میں بسیرا کر لیتے ہیں۔متی (۳۱۔۳۲)

پھر اس نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہت کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانے کے مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے، مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے، اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔

مرقس (۳۰۔۳۲) نیز لوقا (۱۸۔۱۳) بحوالہ تفسیر ماجدی (۶/۴۳۲)

مذکورہ آیت کے اس ٹکڑے میں اسلام کے ضعف آغاز اور پھر اس کے قوت و تقویت کا جس شاندار طریقے پر نقشہ کھینچا گیا ہے حقیقتا یہ قرآن ہی کا حصہ ہے۔ **لیغیظ بھم الکفار** یہ قرآن کا اعجاز بیانی ہے کہ اس نے اپنے اس مختصر سے لفظ کے ذریعے صحابہ کرام کی بڑی جامع اور بلیغ انداز میں مدح کی ہے، یہ شاتمینِ صحابہ کے خلاف ایک مضبوط حجت اور قطعی دلیل ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منھم .... منھم میں من اس جگہ باتفاق مفسرین بیانیہ ہے اور سب صحابہ اس میں داخل ہیں۔ (تفسیر ماجدی) اور معنی یہ ہے کہ یہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، اللہ تعالی نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ سب صحابہ ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، دوسرے یہ کہ ان سب سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے۔ (معارف القرآن) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ وعدہ دیا ان کو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں، حضرت کے سب اصحاب ایسے ہی تھے مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا، حق تعالی بندوں کو ایسی صاف خوش خبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں، اس مالک سے اتنی شاباش بھی کافی ہے۔ بحوالہ تفسیر عثمانی ص/۶۸۶

و کذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا البقرہ /۱۴۳ اسی طرح ہم نے تم کو نہایت معتدل امت بنایا تاکہ تم (آخرت میں) لوگوں کے بارے میں گواہی دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بارے میں گواہی دیں۔ یعنی جیسے تمہارا قبلہ کعبہ نہایت صحیح، معتدل اور تمام قبلوں سے افضل ہے اسی طرح تم (صحابہ کرام اور ان کے متبعین) بھی نہایت معتدل اور افضل امت ہو، اور اسی فضیلت و کمال ہی کی وجہ سے تم آخرت میں دوسری امتوں کے بارے میں گواہ مقبول الشھادت قرار دیئے جاؤ گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عدالت و صداقت کی گواہی دیں گے۔ وسط کے معنی بالکل بیچ کا راستہ ہیں جو سب سے سیدھا اور معتدل ہوتا ہے، یہ لفظ عربی زبان میں انتہا کی تعریف اور مدح کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس آیت میں صحابہ کرام اور ان کے متبعین کے بڑے شرف اور عظمت کا ذکر ہے۔

معارف القرآن ج/۸ص/۵۴۴

(۳) **فالذین آمنوا بہ و عزروہ و نصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ، اولئک ھم المفلحون۔** (الاعراف ۱۵۴) سو جو لوگ ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے، اور ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی، اور اس نور (قرآن و سنت) کی اتباع کی جو ان کے ساتھ اترا ہے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس آیت میں کامیابی کو جن چار شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے وہ بحمد اللہ صحابہ کرام میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف

آپ پر ایمان لائے، بلکہ انہوں نے آپ کی محبت وتعظیم، امداد واعانت اور اتباع کامل کا ایسا بے مثال نمونہ پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ کے اوراق قاصر ہیں۔

(۴) **والسابقون الأوّلون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضو عنه و اعدلهم جنت تجرى تحتها ا لانهار خلدين فيها ابدا ذلک الفوز العظيم.** اور جو مہاجرین وانصار ایمان لانے میں سب سے سابق اور مقدم ہیں، اور بقیہ امت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ تعالی ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ تعالی نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔ اس آیت میں ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جو اولین ایمان لانے والے ہیں، خواہ وہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے انصار ہوں یا باہر سے آنے والے مہاجرین ہوں، پھر یہ بھی مذکور ہے کہ اس فضیلت میں بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے اہل ایمان بھی شریک ہیں۔

معارف الحدیث ص ۵۴۶

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: یہ ان اعیان مومنین کا ذکر ہے جنہوں نے ہجرت میں سبقت کی اور اوّلیت کا شرف حاصل کیا، اور جن انصار نے نصرت واعانت میں پہل کی۔ غرض جن لوگوں نے قبول حق اور خدمت اسلام میں جس قدر آگے آگے بڑھ بڑھ کر حصے لئے، پھر جو لوگ نکوکاری اور حسن نیت سے ان پیش روانِ اسلام کی پیروی کرتے رہے، ان سب کو درجہ بہ درجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی، جیسے انہوں نے پوری خوش دلی اور انشراح قلب کے ساتھ حق تعالی کے احکام تشریعی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکا دیں، اسی طرح خدا نے ان کو اپنی رضاء اور خوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔ تفسیر عثمانی ۲۶۸

علامہ ابن کثیر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **يا ويل من ابغضهم او سبهم او سب بعضهم .... فاين هؤلاء من الايمان بالقرآن اذ يسبون من رضى الله عنهم** ۔(ابن کثیر) ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو صحابہ کرام یا ان میں سے بعض سے بغض رکھیں، ان کو برا کہیں، ان لوگوں کا ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ جو ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں، جن سے رضامندی کا خود اللہ تعالی نے اعلان فرمایا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر مقدمہ استیعاب میں یہی آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **ومن رضى الله عنه لم يسخط عليه ابدا ان شاء الله تعالى** اللہ تعالی جس سے راضی ہو گیا پھر انشاء اللہ اس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ مناقب صحابہ ص/ ۱۸

محمد بن کعب قرظی سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سب کے سب جنت میں ہیں اگر چہ وہ لوگ ہوں جن سے دنیا میں غلطیاں اور گناہ بھی ہوئے ہوں، اس شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو:

السابقون الاوّلون ...اس میں تمام صحابہ کے متعلق بلا کسی شرط کے رضی اللہ عنہم و رضوعنہ ارشاد فرمایا ہے، البتہ تابعین کے معاملہ میں اتباع باحسان کی شرط لگائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بلا کسی قید و شرط کے سب کے سب بلا استثناء رضوان الٰہی سے سرفراز ہیں۔ معارف القرآن ج۴ص۴۵۰

(۵) **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجة من ا لذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلا وعدالله الحسنی.** تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں۔ وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (ویسے تو) اللہ تعالی نے بھلائی (یعنی جنت) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔ اس آیت میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام اوّلین ہوں یا آخرین، سب سے اللہ تعالی نے حُسنی یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا تمس النار مسلماً رانی او رأی من رآنی.** کہ جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا ہے یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے یعنی کسی صحابی کو دیکھا، وہ جنت میں جائے گا بشرطیکہ اس کا خاتمہ ایمان و اسلام پر ہوا ہو۔

(۶) **ولکن الرسول والذین آمنوا معه جاهدوا باموالهم وانفسهم و اولئک لهم الخیرات و اولئک هم المفلحون، اعد الله لهم جنت تجری من تحتها ا لانهار خلدین فیها ذلک الفوز العظیم ـ** (التوبہ/۸۹) لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو لوگ ایمان لائے، ان کے ساتھ انہوں نے اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کیا، اور انہیں کے لئے ساری خوبیاں ہیں، اور وہی ہیں کامیاب ہونے والے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ان باغات میں رہنے والے ہیں، اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اس آیت میں بھی صحابہ کرام کی مدح کی گئی ہے کہ وہ اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، جس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں اور کامرانیاں انہیں کے لئے ہیں۔

(۷) **رجال لا تلهیهم تجارة لا بیع عن ذکر الله و اقام الصلوة و ایتاء الزکوة، تخافون یوما تتقلب فیه القلوب والابصار ـ** (النور/۳۷) وہ ایسے لوگ ہیں جو لین دین اور خرید و فروخت کرنے میں اللہ تعالی کی یاد، نماز قائم کرنے، اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں ہوتے، اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن آنکھیں اور دل پھر جائیں گے۔ صحابہ کرام کی پوری زندگی اس بات پر گواہ ہے کہ وہ اپنی تجارت و معاش میں لگ کر کبھی یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوئے، اور نہ ہی دنیا کی زیب و زینت اور اس کی بہاریں انہیں کبھی یاد خداوندی سے غافل رکھ سکیں، وہ جہاں کہیں بھی ہوئے جس حال میں ہوئے ان کے قلوب ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہے۔

(۸) لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا آبائھم او ابنائھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وا یدھم بروح منہ و یدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا، رضی اللہ عنھم و رضو عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون. جولوگ اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہیں، خواہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی اور کنبہ ہی کیوں نہ ہوں، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایمان ثبت کر دیا ہے، اور ان (کے دلوں) کو اپنے فیض سے قوت دی، اور ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالی ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالی سے راضی ہوں گے، یہی لوگ اللہ تعالی کا گروہ ہیں اور خوب سن لو کہ اللہ تعالی ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔ اس آیت میں صحابۂ کرام کی تعریف کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ حبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ کی عملی تصویر تھے۔

(۹) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ۔ (آل عمران/۱۱۰) تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں (کے نفع و ہدایت) کے لئے بھیجی گئی ہے، تم لوگوں کو نیک کام بتاتے اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور خود بھی اللہ تعالی پر ایمان لاتے ہو۔ تمام مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے اصل مخاطب اور مصداق اول حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

(۱۰) ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول علیکم شھیدا و تکونوا شھداء علی الناس الخ اللہ تعالی نے تم کو چن لیا اور اس نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں پیدا کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) انہوں نے تمہارا نام مسلمان پہلے سے رکھا اور یہ نام اس قرآن میں بھی ہے تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ قرآن کریم کی یہ آیت اس بات میں بالکل صریح ہے کہ صحابہ کرام کو اللہ تعالی نے چنا تھا، چنانچہ حضرت عویمر بن ساعدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے رفقاء اور ساتھی بھی منتخب فرمائے، اور پھر ان رفقاء میں سے کچھ کو میرا وزیر، کچھ کو میرا مددگار، اور کچھ کو میرا رشتہ دار بنایا۔ پس جس شخص نے ان کو برا کہا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالی نہ تو اس کی توبہ قبول کرے گا اور نہ اس کا فدیہ، یا یہ کہ نہ نفل اس کا مقبول ہوگا اور نہ فرض۔ طبرانی، حاکم

مشہور محدث حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے: إن اللہ نظر فی قلوب العباد فاختار محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فبعثہ برسالتہ، وانتخبہ بعلمہ، ثم نظر فی قلوب الناس بعدہ فاختار لہ أصحاباً، فجعلھم أنصار دینہ، و وزراء نبیہ صلی اللہ علیہ

وسلم. حیاۃ الصحابۃ ص۴۶؍ کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی، اوران سب میں اپنے علم کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا اوراپنی رسالت کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا، پھر آپ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر ڈالی، تو کچھ لوگوں کو آپ کے اصحاب اوراپنے دین کے ناصر ومددگار اور آپ کے وزراء اور نائبین کے طور پر منتخب فرمایا۔

انہیں حافظ ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: **أولئک أصحاب محمد کانوا خیر ھذہ الأمة أبرّھا قلوباً، وأعمقھا علماً، وأقلھا تکلفاً، قوم اختارھم اللہ لصحبة نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم و نقل دینہ.** یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس امت کے بہترین لوگ ہیں، ان کے قلوب سب سے زیادہ نیک و صالح، اوران کا علم سب سے زیادہ عمیق ہے، یہ پوری امت میں سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں، اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اوراپنے دین کی تبلیغ کے لئے ان کا انتخاب فرمایا ہے۔ اندازہ لگائیے کہ جونفوس قدسیہ اللہ کے مجتبی ہوں، جن کو اللہ تعالی نے اپنے دین کے لئے خود چنا ہو، ان کا مقام خدا کے یہاں کس درجہ بلند ہوگا۔

(۱۱)لکن اللہ حبّب إلیکم الإیمان وزیّنہ فی قلوبکم و کرّہ إلیکم الکفر والفسوق والعصیان أولئک ھم الرّاشدون،فضلاً من اللہ و نعمةً. (الحجرات) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اوراسے تمہارے دلوں میں مرغوب کردیا اور کفر وفسق اورعصیان سے تمہیں نفرت دے دی، ایسے ہی لوگ تو راہ راست پر ہیں اللہ کے فضل اورانعام سے۔

یہ پوری آیت مدح صحابہ میں ہے، اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ایمان کے اعلی درجہ پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ کفر وفسق اورعصیان سے بھی ایماناً وعقلاً مکمل طور پر بیزار تھے۔ تفسیر کبیر میں ہے: **کرّہ إلیکم، وھو أنّ الأمر الأعظم، کما قال تعالی: إنّ الشرک لظلم عظیم، ثم قال تعالی: والفسوق، ما یظھر لسانکم ایضاً،ثم قال: و العصیان، وھو دون الکل ولم یترک علیکم الأمر الأدنی وھوالعصیان، وقال بعض الناس: الکفرظاھر والفسوق ھو الکبیرة والعصیان ھو الصغیرة.** (تفسیر کبیر) یعنی تمہارے لئے کفر کو مکروہ بنادیا اور کفر سب سے بڑا گناہ ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا شرک ظلم عظیم ہے، پھر اللہ تعالی نے لفظ فسوق ذکر کیا، اس سے مراد وہ گناہ ہے جو زبان سے ظاہر ہو، پھر عصیان کا لفظ استعمال فرمایا، وہ کفر اور فسوق سے کمتر درجہ ہے، یعنی سب سے کم درجہ کی جو چیز تھی اللہ تعالی نے تمہارے دل میں اس کی بھی نفرت پیدا کردی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کفر کا مطلب تو ظاہر ہے، اورفسوق سے مراد گناہ صغیرہ ہے، اورعصیان سے مراد گناہ کبیرہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی نے صحابہ کرام کے دل میں ظاہری وباطنی قولی وعملی سمیت ہرطرح کے چھوٹے بڑے گناہ کا تصور تک ناپسندیدہ بنادیا تھا۔

☆------☆------☆

مداوائے غم

زمانہ قریب میں جو بزرگ اور خدائی معرفت میں ملبوس علمی شخصیتیں ہمارے درمیاں سے اٹھ گئی ہیں ان میں ایک نام حضرت عارف باللہ مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ کا بھی ہے۔ مولانا اعظمیؒ کی وفات کے بعد ان کے علم وعمل کے امین صاحبزادوں نے اپنے والد محترم کی علمی یادگار کو جس طرح قابل استفادہ بنایا ہے وہ انتہائی قابل ستائش ہے۔

مولانا اعظمیؒ کے مکاتیب کا دوسرا مجموعہ (اعجاز نامے) ابھی جلد ہی شائع ہوا ہے۔ مولانا اعظمیؒ کے صاحبزادے مولانا محمد عابد صاحب اعظمی کی جانب سے مجھے یہ کتاب ہدیہ فرمائی گئی، مکاتیب کے مجموعہ میں تقریباً چار خط مولانا محمد عابد صاحب اعظمی کے نام بھی ہیں، جن میں سے ایک خط اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل الگ ہے۔ وہ خط کیا ہے؟ غم والم، حزن وملال کے سمندر میں ڈوبے ہوئے انسان کے لئے وہ کشتی ہے جو اسے ساحل جیسا مضبوط کنارہ عطا کرتی ہے، وہ کمزور وناتواں انسان کا ایسا دل ہے جو اپنے بیٹے کے دل کے درد کو اس سے زیادہ محسوس بھی کرتا ہے اور درد کا درماں بھی عطا کرتا ہے، یہ خط انہوں نے اپنے قابل فخر صاحبزادے کے اس حادثہ پر لکھا ہے، جب ان کا پہلا بچہ جسم بلا روح کے عالم وجود میں ظاہر ہوا، چند سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں اولاد کی خوشیوں سے نوازا؛ لیکن جب وہ تین اور چار سال کی عمر کو پہنچے تو تین مہینے کے فرق کے ساتھ دونوں مالک حقیقی سے جا ملے۔ ایسے حادثے عموماً انسان کہاں برداشت کر پاتا ہے، تکلیف کی شدت سے کبھی کبھی ناکردنی وناگفتنی کا بھی ارتکاب کر بیٹھتا ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ حضرت مولانا عابد صاحب اس ابتلاء وآزمائش میں کامیاب و کامران ٹھہرے۔

یہ خط صرف ایک شخص کے زخم کا مرہم، درد کا مداوا نہیں؛ بلکہ اس آزمائشی جہان میں ایسی مصیبتوں کے مارے ہوئے اور لوگ بھی بستے ہیں یہ خط ان کے لئے بھی مشعل راہ ہے۔

معاون مدیر

فرزند عزیز! عافاک اللہ و أعاذک اللہ من الشرور والبلایا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رات کے بارہ بج رہے ہیں، میں سونے کی کوشش کر رہا تھا؛ مگر تمہارا صدمہ یاد آیا اور نیند آنکھوں سے اڑ گئی ہے، اپنے

آپ کو تسلی دے رہا ہوں، تمہارے لئے دعائیں کر رہا ہوں؛ مگر کلیجہ ہے کہ چھلنی ہوا جا رہا ہے، بڑی دیر سے کشمکش میں ہوں، تمہارے دل کا، دل کے حال کا خیال اس قدر بے چین کئے ہوئے ہے کہ بے اختیار اٹھ کر یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اللہ کرے تمہارے لیے یہ حروف باعث تسکین وتسلی ہوں۔

میرے بیٹے! صدمہ بڑا ہے مگر یہ سوچو کہ جس پاک پروردگار نے یہ امانت تمہیں سپرد کی تھی، اب اسی نے یہ امانت جیسی سونپی تھی، ویسی ہی واپس لے لی، اس پر کسی طرح کے گناہ کا داغ دھبّہ نہیں لگا۔ اب یہ تمہاری امانت ہے جو سب سے بڑے امانت دار کے پاس پہنچ گئی ہے، وہ اس امانت کو سنبھال کر رکھیں گے، اس کی پرورش کریں گے اور ایسے وقت میں تمہارے حوالے کریں گے جب سب سے زیادہ ضرورت کا وقت ہوگا، اس وقت یہ امانت تمہیں اس درجے کام آئے گی جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ تمہاری تین امانتیں وہاں محفوظ ہیں، حافظ مسعود صاحب کہہ رہے تھے یہ تینوں بحکمِ حدیثِ نبوی ماں اور باپ کو سیدھے جنت میں پہنچا کر رہیں گی۔ آج کا صدمہ بہت بڑا صدمہ، کل کی عظیم سعادت ثابت ہوگا انشاء اللہ۔

میرے بیٹے! ہم سب کے آقا ومولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سرچشمہ محبت ورحمت ہیں بڑھاپے میں انہیں ایک بیٹا ملا، ۱۷ ماہ کا ہوا اور حق تعالیٰ نے واپس لے لیا، بڑھاپے کی اولاد تھی، صدمہ ہونا تھا، ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، دل زخمی ہوا؛ لیکن فرماتے ہیں: **لا نقول الا بما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون** صدمے کا انکار نہیں مگر حق تعالیٰ کے مشیت پر راضی رہنا حق بندگی ہے۔

خدا کی مہربانی تو دیکھو! بندہ اپنے بیٹے کی، اپنے ثمرۂ قلب کی اور اپنے جگر گوشے کی موت پر صبر کرتا ہے، اللہ کی حمد کرتا ہے، اس کے فیصلے پر راضی رہتا ہے، تو حق تعالیٰ جنت میں ایک گھر صرف اس تقریب میں اس کے لیے تعمیر کرتے ہیں، جس کا نام **بیت الحمد** رکھتے ہیں۔ زہے نصیب کہ "**بیت الحمد**" نصیب ہوا۔

حضرت کی صاحبزادی حضرت زینب کا بچہ آخری وقت میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں: **ان للہ ما اعطی ولہ ما اخذ فلتصبر ولتحتسب** جو کچھ دیا وہ بھی اللہ کا اور جو کچھ لیا وہ بھی اللہ کا، پر صبر کرنا چاہیے اور ثواب کا امیدوار رہنا چاہیے۔ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر امتی سے فرمائی ہے۔ تم بھی انہیں کے امتی ہوں، بس صبر کر لو اور اجر کی امید رکھو۔

اور سنو! حضرت نے فرمایا ہے کہ صدمے کے وقت اس طرح رضا کا اظہار کرو اور دعا کرو **انا للہ وانا الیہ راجعون**.
"**اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا**" پھر دیکھو حق تعالیٰ کی جانب سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں۔

میرے عزیز بیٹے! اللہ کی مہربانی بہت بڑی ہے، اسے ہر وقت دھیان میں رکھو۔ بلاشبہ تمہیں اس وقت بڑا بھاری خلا محسوس ہو رہا ہے۔ میں سوچتا ہوں تو تڑپ جاتا ہوں۔ مجھے تمہاری محبت بے چین کئے ہوئے ہے؛ مگر اس خلا کو اللہ کی محبت سے، اللہ کی یاد سے، اللہ سے امید رکھنے سے، اللہ کی مہربانی سے پُر کر لو۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے، ہر تعلق کے لیے زوال ہے، سب کچھ مٹ جانے والا ہے، ایک اللہ کا تعلق ہے جو لازوال ہے، یہ ہمہ دم کا رفیق ہے۔ دنیا کی ہر دولت ختم ہونے والی ہے، ایک تعلق

مع اللہ ہے جس کے لئے فنا نہیں، دل جتنا زخمی ہو چکا، ہو چکا، اب اس پر صبر و رضا کا مرہم لگا دو، تمہارے لئے بہت دعائیں ہوئی ہیں، تمہارے کمزور باپ نے بھی کی ہیں، بزرگوں سے کرائی ہیں، حضرت شیخ (مولانا عبدالواحد صاحب کراچی) نے کی ہیں، حافظ مسعود صاحب (مدینہ منورہ) اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب (غازی پور) نے کی ہیں اور مکہ اور مدینہ میں بہتوں نے کی ہیں، اللہ تمہیں صبر وسکون عطا فرمائے۔

اس دن جب خبر ملی تو عرفات حرم میں تھا، اسے جب خبر ہوئی تو وہ رات میں قیام گاہ پر آیا ہی نہیں۔ پوری رات آغوش کعبہ میں رہا، طواف کرتا رہا، دعائیں کرتا رہا، فجر کی نماز کے بعد آیا۔

میرے بیٹے! تمہارے اس حادثے نے سب کو ہلا ڈالا۔ راشد سخت پریشان اور مضطرب رہا۔ اس وقت تمہارے لیے اتنی دعائیں ہوئی ہیں کہ بس اللہ ہی جانتا ہے۔

یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور میرا دل رحمت خداوندی کے دریا میں ڈوب رہا ہے، ہاتھ تھرتھرا رہا ہے، دل ہل رہا ہے۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہو کہ حق تعالیٰ کی رحمت نے تمہارا احاطہ کرلیا ہے۔

آگے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر صدمے سے محفوظ رکھیں، اپنی لامتناہی رحمت عطا فرمائیں، جانے والے کا نعم البدل روزی فرمائیں اور جنت میں لے جانے کے لیے ان تینوں بچوں کو مضبوط سفارشی بنا دیں۔ تمہارے لیے اور تمہاری اہلیہ کے لیے بھی یہ سطریں لکھ دی ہیں، حق تعالیٰ قلب کو خوب صبر وضبط عطا فرمائیں۔

والسلام

سوگوار وضعیف باپ

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۳۲

قسط/۱

پیشین گوئیوں کی کہانی

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری
معاون مدیر: ماہنامہ المناظر

عرب کے ریگزار جس کے آنے کے منتظر رہے، غار حرا جس کی زیارت کے لیے کوشاں رہا، چاند جس کے انتظار میں چاندنی پھیلاتا رہا، سورج جس کی آمد کے لئے اپنا آفتابی نور صبح سے شام تک بکھیرتا رہا، وہ ہستی اب ان کے درمیان تھی۔ ریگزار خوشی سے کلمہ کا اقرار کررہے تھے، چاند فرمابرداری پر تقسیم ہونے لگا تھا، راہب اپنے معبد سے نکل کر اس کے مبارک ہونے کی نوید سنا رہے تھے، اگر کوئی ناراض و پریشان تھا تو وہی تھے جن کے درمیان اسے بھیجا گیا تھا۔

عثمان ابن طلحہ اس عظیم اور بابرکت گھر کے کلید بردار ہیں، جس گھر کو دیکھنے کے لئے **بلی یا ربی** کی صدا لگائی گئی تھی، جس کی زیارت کا ارادہ ہی ذہن و دل کو اپنے روحانی فیض سے منور کر دیتا ہے، جس جگہ پہنچنے کے خیال ہی سے جسم کے تمام اعضاء ساز زندگی پر اپنی راگ الاپنے لگتے ہیں، جس گھر کے دیدار کے لیے شوق تمنا اپنے بوڑھے جسم کو خدا کی کبریائی بیان کرنے کے لئے تیار کر لیتی ہے، کعبہ کے دروازے کو صفائی اور عبادت کے لیے کھولتے ہیں، صحن حرم میں ایک کنارے پر بیٹھا ہوا شخص بھی اٹھ کر ان کی طرف بڑھتا ہے اور اس گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے؛ لیکن نہیں تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو، ان کی تکذیب و تنقیص کرتے ہو، تم اندر داخل نہیں ہو سکتے، روکا کسے گیا؟ اس انسان کو جس کے لیے معمار کعبہ نے تعمیر مکمل کرنے کے بعد دعاؤں میں اپنے ہاتھ **ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتک و یعلمھم الکتاب و الحکمة و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم** کہتے اٹھائے تھے۔ اسے روکا گیا تھا، زبان مبارک حرکت میں آتی ہے اور فرمایا جاتا ہے، **یا عثمان لعلک ستری ھذا المفتاح یوما بیدہ اضعہ حیث شئت** (اے عثمان! ذرا بتاؤ! اس دن کیا ہوگا؟ جس دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اس دن میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا) جسے ایک ناممکن بات سمجھ کر کہا گیا **لقد ھلکت قریش یومئذ و ذلت** (ایسا تو ممکن نہیں؛ اگر کبھی ایسا ہوا تو یہ عرب کے لیے کسی قیامت خیز حادثے سے کم نہ ہوگا، یقیناً عرب اس دن ایسی ذلت و رسوائی سے مرجانا پسند کریں گے)، فرمایا گیا **بل عزت** (وہ دن قیامت خیز حادثہ نہیں بلکہ ایسا واقعہ ہوگا جس کے ذریعے عرب و عجم تمہارے سامنے جھک جائیں گے، ذلت و رسوائی کے بجائے عزت و عظمت کے بلند مینار پر بیٹھا کر **رضی اللہ عنھم و رضو عنه** کا تمغہ عطا کیا جائے گا، تمہارا طریقہ اختیار اور نقش پا کی پیروی کرنے والوں کو **اصحابی کالنجوم** کے ذریعے راہ یاب اور بامراد بنایا جائے گا اور تمہاری نظریں مردوں کی مسیحائی کا قیمتی سامان فراہم کریں گی)۔

بدر کے میدان میں کفار کے کان کھڑے ہو گئے وہ جسے گھر میں دبوچ لینا چاہتے تھے وہ کھلی فضاؤں میں مات کھا گئے،

احد کے میدان میں خوشی اور مسرت کے مواقع ہاتھ آئے ،تو خندق میں دیگیں الٹ دی گئیں،صلح حدیبیہ میں بظاہر ان کی شرطیں تسلیم کرلی گئی ؛لیکن فتحا مبینا کی ایسی نوید سنائی گئی کہ آپ اسی شہر میں داخل ہورہے ہیں جس سے نکلتے ہوئے فرمایا تھا یقیناً تو مبارک شہر ہے میں تجھے چھوڑ کر ہرگز نہیں جاتا اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی ،نگاہیں نیچی ،داڑھی سینے سے مس ہورہی ہے اور زبان پر انا فتحنا لک فتحا مبینا کی آیات رقصاں ہیں،امان کی ایک ایسی چادر ہے جو ابوسفیان اور ہندہ کے ساتھ ساتھ تمام اہل مکہ کو ڈھانپے ہوئے ہے،آپ صحن حرم میں داخل ہوتے ہیں،(ایک روایت کے مطابق) عثمان بن طلحہ کو طلب کرتے ہیں، پکڑ کر حاضر کیے جاتے ہیں،شرمندگی کی وجہ سے آنکھیں جھکی ہوئی ہیں کلید کعبہ حوالے کی جاتی ہے، پرانی باتیں یاد دلائی جاتی ہیں عثمان ! کیا تمہیں وہ باتیں یاد ہیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہوئی تھیں، دیکھو! آج وہ دن آگیا رب کا فرمان بھی آگیا،اس مبارک کلید کے لیے عظیم المرتبت صحابہ کرام بھی حصول کی آس لگائے ہوئے ہیں،فرمایا جاتا ہے،عثمان ! یہ چابی لو، **خذوها یا بنی طلحة خالدة تالدة الی یوم القیامة لا ینزعها منکم الا ظالم**(اب یہ چابی تمہارے خاندان میں قیامت تک رہے گی ،ظالم شخص ہی تم سے یہ چابی چھینے گا)،عرب میں کئی بادشاہ گزرے،حکومتیں تبدیل ہوئیں،عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے سر کو سولی پر لٹکایا گیا،کعبہ کی دیواریں منہدم کی گئیں،حرہ کا واقعہ پیش آیا،نواسہ رسول کو شہید کر کے اقتدار کو مزید مستحکم بنایا گیا، پھر آل سعود اقتدار میں آئے ،مخلوط تعلیمی نظام قائم کئے گئے ،سنیما جیسے فواحش وعریانیت کے کارخانے کھولے گئے ،لیکن کسی کا خیال اس کنجی طرف نہ گیا اور جاتا بھی کیسے کس کی جرات ہے جو اپنے دامن پر بزبان رسول ظالم کا لیبل چسپاں کرے۔(تاریخ مکة المشرفه و المسجد الحرام والمدینة الشریفة والقبر الشریف/ محمد بهاء الدین ابن الضیاء المکی الحنفی القرشی)

☆----☆----☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں قصی نامی ایک شخص کا تذکرہ آتا ہے، جو چوتھی پشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، جو نہایت عقلمند، زیرک اور دانشور تھے،جنہوں نے اپنی عقلمندی اور دانشوری سے بنوں خزاعہ سے وہ تمام عہدے حاصل کر لیے جو مکہ میں وجہ امتیاز اور سبب شرافت و بزرگی تھے، انھوں نے یہ تمام عہدے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے حوالے کر دیئے، حالانکہ عبدمناف گوعمر میں بڑے نہ تھے؛ لیکن اپنے والد قصی ہی کے زمانے میں زبردست شرف ومنزلت کے مالک بن چکے تھے،عبدالدار اور عبدمناف کے انتقال کے بعد عبدمناف کی اولاد نے ارادہ کیا کہ اپنے چچا کی اولاد سے یہ سارے مناسب چھین لیں، پھر ان میں اس بات پر صلح ہوگئی کہ منصب سقایہ منصب رفادہ اور منصب قیادہ بنی عبدمناف لے لیں اور منصب حجابہ اور منصب لواء ان کے پاس رہیں گے جب کہ دارالندوہ دونوں کے درمیان مشترک رہے گا۔

منصب سقایہ اور منصب رفادہ پر عبدمناف کے بعد ان کے بیٹے ہاشم فائز ہوئے، پھر عبدالمطلب پھر ان کے بعد اس خدمت پر ان کے بیٹے ابوطالب کھڑے ہو گئے، اتفاقا کچھ سال ابوطالب پر ایسے گزرے کہ انہیں رفادہ اور سقایہ کے انتظام کے لیے اپنے بھائی حضرت جعفر سے قرض لینے پڑے، دوسرے سال بھی تنگ دستی ہی رہی، پھر حضرت عباس نے قرض اس شرط پر دیا کہ اگر رقم کی ادائیگی اگلے سال نہ ہوگی تو یہ مناصب میرے حوالے کر دو گے،ابوطالب اس پر تیار ہو گئے،اگلے سال بھی ابو طالب کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا، لہذا منصب حضرت عباس کے سپرد ہو گیا، پھر ان کے بعد ان کے

صاحبزادے عبداللہ ابن عباس کے پاس آیا۔

منصب قیادہ یعنی قافلہ سالار اس منصب پر عبدمناف کے بعد اس کا بیٹا عبدشمس فائز ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا امیہ، اس کے بعد اس کا بیٹا حرب، پھر اس کا بیٹا ابوسفیان جو غزوات اور لڑائیوں میں فوج کی قیادت کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں کفار کی سالاری کی۔

دارالندوہ عمارت جہاں قریش کے لوگ اپنے معاملات کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے، جو قصی کی بنوائی ہوئی تھی، یہ بنی عبدالدار میں اولاد در اولاد رہا یہاں تک کہ حکیم ابن حزام کے ہاتھوں میں آیا، حکیم ابن حزام نے اسلام قبول کرنے کے بعد دارالندوہ کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کردیا۔

منصب حجابہ یعنی بیت اللہ کی دیکھ بھال یہ منصب عبدالدار نے اپنے ایک بیٹے عثمان کو دیا پھر یہ منصب عثمان کے بیٹے عبدالعزی کو ملا، پھر اس کے بیٹے عبداللہ پھر اس کے بیٹے طلحہ اور پھر اس کے بیٹے عثمان کو ملا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر ہیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی لی، پھر ان ہی کو عنایت فرمادی۔

(سیرت حلبیہ/ترجمہ مولانا اسلم صاحب ص/۵۶ تا ۷۳)

☆۔۔۔۔☆۔۔۔۔☆

حرمین کے امور کے محقق محی الدین الہاشمی بتاتے ہیں کہ اس زمانے کے تمام تر کلید برداروں کا تعلق شیخ محمد بن زین العابدین بن عبدالمعطی الشیبی سے ہے۔ وہ ۴۳ / برس تک بیت اللہ کے کلید بردار رہے اور ۱۲۵۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ شیخ کے بعد کلید کعبہ ان کے سب سے بڑے بیٹے عبدالقادر، پھر ان کے بھائی سلیمان، پھر ان کے بھائی احمد اور پھر ان کے بھائی عبداللہ کے ہاتھ میں آئی، اس کے بعد کلید برداری اگلی نسل میں منتقل ہوکر شیخ عبدالقادر بن علی بن محمد بن زین العابدین الشیبی تک پہنچی، ان کی وفات ۱۳۵۱ھ ہجری میں ہوئی۔

پھر کلید کعبہ محمد بن محمد صالح الشیبی کو ملی تھی۔ وہ بالعموم بیمار رہتے تھے۔ لہذا انہوں نے کلید برداری شیخ عبداللہ بن عبدالقادر الشیبی کے حوالے کردی۔ شیخ کے بعد ان کے بیٹے امین، طہٰ اور پھر عاصم بالترتیب اپنے والد کے جانشیں بنے۔ ان کے بعد کلید کعبہ شیخ عبداللہ کے بھتیجے طلحہ بن حسن الشیبی کو ملی۔ ان کے بعد شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالقادر الشیبی کے ہاتھوں میں آئی جو ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ ہجری میں وفات پاگئے۔ اس کے بعد چار برس تک کلید کعبہ شیخ عبدالقادر بن طہٰ بن عبداللہ الشیبی کے پاس رہی۔ اس عرصے میں سابق فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے حکم پر بیت اللہ کا قُفل (تالا) بھی تبدیل کیا گیا۔ شیخ عبدالقادر ۱۴۳۵/۱۲/۲۹ ہجری کو اپنے مرض کے ساتھ طویل عرصے سے جاری جنگ ہار بیٹھے۔ ان کے بعد شیخ کے چچا زاد بھائی شیخ ڈاکٹر صالح بن زین العابدین الشیبی کلید برداری کے جانشیں بنے۔

العربیہ ڈاٹ نیٹ (۳/شوال ۱۴۳۸ھ۔ ۲۸/جون ۲۰۱۷ء)

محقق گیلانی

مولانا عبدالماجد دریادیؒ

جوکل تک ہرغم زدہ کے لئے مجسم تسکین وتشفی تھا، آج خود اس کے غم میں کون اور کس کس کو تسلی دے؟ جوکل تک ہمہ تازگی وزندگی، ہمہ جودت وذہانت تھا، کس طرح یقین آئے کہ آج اس کا جسم خاکی زیرزمین پہنچ چکا ہے۔

فاضل گرامی حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی (آہ ، کہ ان کے نام کے ساتھ بجائے مدظلہ العالی کے آج کس طرح مرحوم یانوراللہ مرقدہ یارحمۃ اللہ علیہ لکھا جائے۔ گوزبان وقلم کچھ روز بعد اسی کے عادی ہوجائیں گے) دورحاضر کے طبقہ علماء کے خواص میں نہیں اخص الخواص میں تھے، بلکہ کہنا چاہئے کہ اپنی دقت نظر ونکتہ رسی کے لحاظ سے فرد فرید اور اپنی نظیر بس آپ ہی تھے، جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہ دینیات وشیخ الحدیث سالہا سال رہے اور نظر جیسی حدیث پر تھی ویسی ہی قرآن مجید، فقہ، اصول فقہ، کلام، تصوف اور معقولات پر بھی تھی، عقائد اہل سنت میں پختگی دیوبندی تعلیم وتربیت کی کھلی ہوئی برکت تھی، پھر جامعہ عثمانیہ میں بحیثیت استاد کے برسوں جوانگریزی خواں طلبہ اور اعلیٰ ڈگریاں رکھنے والے استادوں سے یکجائی رہی، اس نے علوم جدیدہ اور مسائل حاضرہ سے بھی انہیں پوری طرح باخبر کردیا تھا، اور خیالات میں وسعت اور رواداری اس کا قدرتی نتیجہ تھی، خوش عقیدگی اور روشن خیالی، رسوخ فی الدین اور رواداری کی ایسی جامعیت کی نظیر کہیں اور شاید ہی مل سکے۔

مولانا بہ یک وقت مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، معقولی اور صوفی صافی تھے، تاریخی مطالعہ کی وسعت وکثرت نے انھیں مورخ بھی بنادیا تھا، طلبہ اور اونچے یونیوسٹی طلبہ کے حق میں ایک بہترین معلم تھے اور ایک بہترین مقرر وخوش بیان خطیب بھی تھے، انبالہ کے اجلاس ندوہ میں ۱۹۲۶ء میں میں نے دیکھا ہر گو بولنے والے اور بھی اچھے اچھے علماء موجود تھے؛ لیکن پبلک کی طرف سے بار بار مطالبہ جن بزرگ کی تقریر کے لئے ہوتا، وہ بعد مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے یہی مولانا گیلانی تھے، قوت تحریر کا ں خصوصی ملکہ مولانا کو حاصل تھا، ایک خاص طرز انشاء کے مالک تھے اور اس میں کسی کے مقلد نہیں، خود اس کے موجد تھے، تحریر کا سب سے بڑا وصف بیساختگی اور برجستگی تھی، جب اور جس موضوع پر چاہا قلم اٹھادیا، بس لکھتے ہی چلے گئے، جو عنوان دوسروں کو پامال نظر آتے ان میں بھی وہ نئے نئے نکتوں کے انبار لگاتے چلے جاتے، خشکی ان کا قلم جانتا ہی نہ تھا، تحریر کی سطر سطر جاندار ہوتی۔

مسلک میں دیوبندی ہونے کے باوجود بڑے بڑے ندویوں سے روشن خیال تھے اور جدیدیت سے بیزار اور متنفر تھے؛ بلکہ اس کے مبناء ومنشا سے واقف تھے اور ہر تازہ فتنہ کی گہری جڑوں پر پوری نظر رکھنے والے تھے، حمایت ونصرت اسلام میں ہزار ہا ہزار صفحہ لکھ ڈالے ہیں، اسلامی معاشیات، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، النبی الخاتم، تدوین قرآن، تدوین حدیث، تدوین فقہ، ظہور نور، ابوذر غفاریؓ، سوانح قاسمی وغیرہ کے علاوہ محض مضامین ومقالات ہی کی ضخامت ہزار ہا صفحات تک پہنچے گی، کاش

مولانا کے کوئی سعید شاگرد وقت نکال کران متفرق ومنتشر اجزاء کو یکجا ومرتب کرنے کی زحمت گوارا فرماتے۔

شاگردوں کا ذکر آ گیا تو یہ بات بھی سن رکھنے اور خوش ہونے کی ہے کہ مولانا اپنے ایک نہیں، متعدد شاگردوں میں دینی وعلمی ذوق کی روح پوری طرح پھونک گئے ہیں اوران لوگوں نے جو اہم دینی خدمات علمی رنگ میں کی ہے ان کے اجر کے بھی بڑے اوراصلی حقدار خود مولانا ہی ہیں۔

بعض کتابوں کے نا تمام رہ جانے کا افسوس خصوصیت کے ساتھ ہے مثلا تدوین حدیث جو تاریخ حدیث پر تھی وہ اگر مکمل ہو جاتی تو منکرین حدیث کے شبہات کا بہترین مدلل وشافی جواب تھی، متعدد عنوانات بھی مولانا کے ذہن میں تھے، سب کے سب ضروری اور اہم تھے، حضرت آخر وقت تک طالب علم ہی رہے آخری خطوط جو وفات سے چند ہی روز قبل موصول ہوئے، علمی مسائل اور بعض اشکالات کے علمی جوابات سے بھرے ہوئے ہیں۔

مذاق میں انتہائی سادگی اور بے تکلفی تھی، اپنی بڑائی اور اپنے کمالات کا شاید انہیں وسوسہ بھی کہیں نہیں پیدا ہوا، اپنے سے چھوٹوں اور کہیں چھوٹوں کی بات کو اس التفات سے سنتے کہ وہ گویا ان کے ہمسر ہوں؛ بلکہ بعض وقت تو اپنے چھوٹوں کو اتنا بڑھاتے کہ وہ بے چارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے۔ بے تکلف و بے ساختہ طرز انشاء اور بے تصنع و پر جوش رنگ تقریر، دونوں اس سرشت وطینت کے پرتو تھے، تحریر وتقریر، دونوں میں بس یہ معلوم ہوتا تھا ایک دریا ابل پڑا ہے۔

طبیعت کے لحاظ سے اتنے وارستہ تھے کہ کھانے کو جو کچھ مل گیا، بس اسی کو نعمت سمجھے، پہننے کو جو کچھ ملا، خوش ہو کر پہن لیا، رہنے سہنے کو جو ادنی سا ادنی معیار بھی وقت کے ساتھ نصیب ہو گیا، اسی میں مگن زندگی گزار دی، ایک زمانہ میں موٹر بھی رکھا؛ لیکن ان لئے موٹر اور اکّہ اور جھٹکا اور پیدل سب برابر ہی تھے، بڑے رقیق القلب بڑے رحم دل، بڑے نرم مزاج دوسرے سے اپنی بات منوانے کے فن سے واقف ہی نہ تھے، کسی ادنی شخص کی بھی ناخوشی نہیں دیکھ سکتے تھے، اسے آزردہ دیکھ بلا وجہ اور خواہ مخواہ بھی اپنی غلطی تسلیم کرتے اور اسے منانے میں لگ جاتے۔

دوسروں کی امداد کا حوالہ دینے میں ذرا بھی بخیل یا تنگ دل نہ تھے، ہر ادنی امداد کا حوالہ بھی بڑی فیاضی اور خوش دلی سے دیتے اور اس کی تو میں شہادت آج اس دنیا میں بھی دیتا ہوں اور کل ان شاء اللہ حشر میں بھی دوں گا کہ اپنی ۳۶، ۳۷ سال کے تعلق وارتباط کی لمبی مدت میں ایک بار بھی اپنی بڑائی کا کوئی کلمہ ان کی زبان سے سننے میں نہ آیا۔ یہ سارے اوصاف معمولی نہیں، غیر معمولی ہیں۔

تصوف کے بڑے جاننے والوں میں سے تھے، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سے عقیدت خصوصی بھی رکھتے تھے اور مناسب طبعی وروحانی بھی، باوجود اس کے رسوم خانقاہی اور بدعات مشائخ کے زرا بھی قائل نہ تھے، اور وہم پرستیوں اور ضعیف الاعتقادیوں کے نزدیک بھی نہیں گئے تھے، اکبر کی زبان میں۔

قائل میں تصوف کا ہوں اکبر لیکن ☆ ارواح پرستی کو تصوف نہیں کہتے

ضابطہ سے بیعت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ سے تھی اور طبیعت پر مذاق توحید تمامتر غالب تھا،نماز میں قرآن مجیداس خوش الحانی اور دردوتاثر کے ساتھ پڑھتے کہ جی چاہتا گھنٹوں اسے سنتے رہیئے۔

میرے ہم سن تھےاور حضرت تھانویؒ اور مولانا محمد علیؒ کی وفات کے بعد اب ملت کی زندہ ہستیوں میں انھیں کی ذات میرے لئے محبوب ترین تھی ہم سن کی وفات نے میرے لئے بھی قرب موت کی ایک اور گھنٹی بجا دی ہے اور محبوب کے سفر آخرت نے میرے لئے بھی اس منزل مقصود میں ایک اور کشش ودلکشی پیدا کردی ہے۔

صحت ادھر عرصہ سے بہت گر گئی تھی، پھر بھی اتنی جلد وقت موعود کے آجانے کا ہم اہل غفلت کو خیال بھی نہ تھا،شوق لقاء رب پوری طرح رکھتے تھے،جیسا کہ ایک درویش عارف کو رکھنا ہی چاہئے اور جہاں تک دماغی قوت کے بس میں ہے خدا جانے کتنے اسرار غیب حل بھی کر چکے تھے،اصل حقائق کا انکشاف اب ہوا ہوگا اوراس وقت ان شاءاللہ پوری طرح ابدی لذتوں اور سرمدی راحتوں کی آغوش میں ہوں گے،ابھی چند ہی سال کی بات ہے کہ جب گیلانی مولانا سے ملنے جانا ہوا تھااورایک باردفعۃ زور کا چکرسا آگیا تھا،اضطراراً میں نے مولانا کا ہاتھ پکڑ لیا تھااور دل نے آنا فانا خوشی اسکی محسوس کی تھی کہ اب نماز جنازہ مولانا ہی پڑھائیں گے،مشیت کو یہ منظور نہ ہوااور اب لو اس کی لگی ہوئی ہے کہ جس وقت اپنا وقت موعود آئے گا (جو یقیناً اب دور نہیں)تو اپنے مالک ومولا سے اپنے ایک قدیم وتباہ کار رفیق نیاز مند کی شفاعت میں اصرار ومبالغہ کرنے والوں میں ایک نمایاں وممتاز شخصیت مولانا ہی کی ہوگی،رخصت اے امام المسلمین،عارضی طور رخصت، **نسئل الله لنا و لکم العافية وانا ان شاء الله بکم للاحقون۔**

مضمون ختم ہو چکا تھا کہ مرحوم کے چھوٹے بھائی کا خط موصول ہوا کہ آج صبح بعد نماز بھائی صاحب بستر پر لیٹے ہی تھے اور میں بھی بغل کے پلنگ پر تھا کہ اچانک روح پرواز کرگئی،رات اس قدر خوش وبشاش تھے کہ میں نے زندگی بھر اتنا خوش نہیں دیکھا،خوب خوب گایا اور گویا رقص کیا،جب ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ بعد نماز فجر یہ حادثہ پیش آگیا۔

جو دوسروں کو جنت کی بشارتیں سناتا رہتا اور بقول شخصے مغفرت کے پروانے تقسیم کرتا رہتا تھا،دنیا نے دیکھ لیا کہ خود اس کا انجام کتنا طرب آمیز ہوا۔ناسوت کی آخری رات اس کے لئے شب برأت تھی،وعدۂ وصال کے قرب نے اسے رات بھر بے خود رکھااور نماز فجر کے بعد بلاوا آیا تو پاس ہی لیٹے ہوئے بھائی کو ’’سکرات‘‘ کا پتا بھی نہ چلنے پایا۔ **والناشطات نشطا** کے وعدہ کا تحقق اسے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔

تحمل

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں!

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

انسانی زندگی میں سب کچھ طبیعت کے موافق ہوا ایسا نہیں ہوتا ہے اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ عالم کے اندر مختلف سوچ وفکر اور طبیعتوں کے مالک آباد ہیں، ظاہر ہے ان اختلافی طبیعتوں سے جو ظاہر ہوگا سب کی طبیعتوں کے موافق نہیں ہوسکتا، اب انسانوں کو چاہئے کہ اختلافی اعمال پر غصے سے تلملانے اور آپے سے باہر ہونے کے بجائے، تحمل وبرداشت کا وہ نمونہ اختیار کریں جس نمونے کے ذریعے انسان کامل نے ہماری راہنمائی فرمائی اور خود اس انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ تحمل اور برداشت کا عملی نمونہ ہے، جسے پڑھ کر کے اور اپنی زندگی کا جز بنا کر ہم راہ یاب ہوسکتے ہیں۔

لیکن تحمل اور برداشت کی قوت بہت آسانی سے حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے مخالف سے لڑنے جھگڑنے کے بجائے اپنی ضد، انا اور ضمیر کو شکست دینی پڑتی ہے، شیطان سے برسر پیکار ہوکر اسے پچھاڑنا پڑتا ہے، غصہ کی آگ کو سرد پانی کے گھونٹ پلانی پڑتی ہے، تجربات سے یہ بات ثابت ومعلوم ہوتی ہے خدا کے حضور پانچ وقت پیشانیاں جھکا لینا، چھپ کر صدقہ وخیرات کرلینا، حج کی صعوبتوں کو برداشت کرلینا آسان ہے، لیکن اپنی انا اور ضد کے شیشے پر پڑنے والی ضرب کو برداشت کرلینا، اور ناموافق حالات کو صبر وتحمل کی چادر سے ڈھانپ دینا نہایت مشکل کام ہے، جب ہمارے ضمیر، ضد اور انا پر تحقیر وذلت اور طبیعت کے مخالف کوئی بات آتی ہے تو کیا ہماری کیفیت سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے اس سانپ کی سی نہیں ہوجاتی ہے، جسے ہلکی ضرب بھی مخالف کو ڈسنے کے لئے مستعد کردیتی ہے، اور ہم اپنا ہوش کھو بیٹھتے ہیں، اور شیطان کی گرفت میں آکر ایسے کام انجام دیتے ہیں، جس پر مہینوں اور کبھی برسوں کفِ افسوس ملتے ہیں۔

حالانکہ ہم ایسے نبی کے پیرو ہیں، جس کی پوری زندگی صبر وتحمل، حلم ودرگزر کی اعلی ترین مثال ہے، ہم نے ایسی ذات کو اپنا آئیڈیل بنایا جس طرح کا آئیڈیل لانے سے دوسرے اقوام ومذاہب قاصر ہیں، نمونے کے طور پر اپنے آئیڈیل صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ کامل انسان عالم کا مظلوم ترین، زمانے کی مصیبتوں کا ستایا ہوا شخص دکھائی دیتا ہے؛ لیکن صبر وتحمل کے ذریعے وہ بلندی کے اس مقام پر فروکش نظر آتا ہے، جہاں رسائی کے لیے جبریل کو اپنے پروں کے جل جانے کا اندیشہ ہے۔

وہ کامل انسان صحن حرم میں عبادت میں مصروف، اپنی قوم کی ہدایت کے لئے دعاؤں میں مشغول، جہنم کے دہانے سے اٹھا کر جنت کے دروازے پر لانے کے لیے کوشاں ہے، کفر کی مجلس میں ہلچل سی مچ گئی ہے اور یہ اعلان کیا جاتا ہے کون ہے جو اونٹ کی اوجھ لا کر محمد کے گردن پر رکھے، بدبختوں کی مجلس کا ایک بدبخت عقبہ بن معیط اس کام کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور اونٹ کی اوجھ لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر رکھ دیتا ہے جس کے وزن اور بھاری پن سے اٹھنا مشکل ہے کہیں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ

تعالی عنہا کو خبر ملتی ہے وہ آ کر اپنے والد محترم کے اوپر سے اس بھاری بوجھ کو ہٹاتی ہیں۔

یہی عقبہ ابن معیط ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کو اپنی چادر میں لپیٹے ہوئے ہے، جس کی وجہ سے سانسیں رکنے اور آنکھیں باہر نکلنے کے قریب ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کا گزر ہوتا ہے آپ یہ کہہ کر، عقبہ ابن معیط سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رہائی دلاتے ہیں کیا تم ایک شخص کو صرف اس وجہ سے قتل کر دینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔

مردہ انسانوں کو حیات نو کی بہاریں دکھانے کے لئے طائف تشریف لے جاتے ہیں؛ لیکن یہ کیا وہ تو اسی تاریک ماحول کے دلدادہ ہیں، اوباش بچے پیچھے لگے ہوئے ہیں، پاگل اور دیوانے کی آوازوں کا ایک شور ہے، پتھروں کی بارش کے درمیان زخموں سے چور ایک شخص ہے، جس کا چلنا مشکل ہو رہا ہے، جو اک غلام کا سہارا لیکر پتھروں سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کے بہتے ہوئے خون سے اس کی جوتیاں بھر گئی ہیں، جس کی تکلیف کو ایک زمانہ گزرنے کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس استفسار پر کہ کیا احد کے دن سے زیادہ بھی کوئی سخت دن آپ پر گزرا، اس کی زبان مبارک شدت درد سے اس طرح گویا ہوئی ہو، عائشہ! مجھے راہ خدا میں تکلیفیں تو بہت دی گئیں، ایذا رسانی کی حد پار کر دی گئی؛ مگر وہ دن جس دن میں خود کو طائف کے سردار کنانہ بن عبد یالیل بن کلال سے سامنے پیش کیا، جس کے زخم آج بھی تازہ ہیں۔ (بخاری)

شہید چچا کی دلخراش اور دل کو خون کر دینے والی نعش سامنے ہے، جس کا سینہ چاک اور کلیجہ چبایا گیا ہے، ناک اور کان جسم سے الگ کیے گئے ہیں، جسے دیکھ کر آپ تڑپ گئے ہوں، جس کے لئے آج بھی عرب کی انصاری عورتیں آہ و بکا کرتی ہوں، ایسے عظیم انسان کا قاتل جب سامنے آتا ہے، تو احد کے میدان کا وہ زخم جس کو گزرے ہوئے کئی سال ہو گئے، تازہ ہو جاتا ہے، شہیدوں کے سردار کی نعش مبارک نظروں میں گردش کرنے لگتی ہے اور آپ قاتل سے فرماتے ہیں، مجھے چچا کے قتل کے احوال سناؤ، جسے سن کر چہرے پر آنسوؤں کی لڑیاں بکھر گئیں ہوں، دل ہچکولے کھانے لگا ہو، اور اسی حالت میں قاتل سے فرمایا جا رہا ہو، ہو سکے تو تم میرے سامنے نہ آیا کرو تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے عزیز چچا کی یاد آ جاتی ہے، یہ کیسا انصاف ہے؟ یہ قصاص کی کون سی صورت اور انتقام کی کونسی شکل ہے؟ یہ بدلے کی کیسی آگ ہے جو اس طرح بجھائی جا رہی ہے؟

یہ واقعات، کہانی اور افسانہ نہیں بلکہ اس کائنات کے عظیم انسان کی حقیقی داستان ہیں، جس کے پاس کچھ نہ تھا لیکن کائنات میں سب کچھ اسی کی وجہ سے تھا بلکہ کائنات بھی اسی کی وجہ سے وجود میں آئی تھی، جو خالی ہاتھ تھا لیکن سب کی جھولی اسی کی وجہ سے بھری گئی تھی، جس کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے لیکن روم اور شام کے محلات اسی کی وجہ سے روشن ہو رہے تھے، غرض کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا لیکن سب کچھ اسی کا اور اسی کی وجہ سے تھا، ظاہراً کائنات کا کمزور ترین انسان تھا لیکن باطناً کائنات کا سب سے زیادہ طاقتور انسان تھا جو انگلی کو اشارہ کرتا تو چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا، پاؤں کو زمین پر رکھتا تو لرزتا ہوا پہاڑ ساکت ہو جاتا، انگلی کو آفتابہ میں ڈالتا تو پانی کا چشمہ سیال ابل پڑتا، لعاب دہن لگاتا تو سانپ کے زہر سے شفا مل جاتی آنکھوں میں لگاتا تو آشوب سے راحت ملتی، ایک مٹھی مٹی بکھیرتا تو سینکڑوں آنکھیں بے نور ہو جاتیں، زبان کو حرکت میں لاتا تو کنکریاں کلمہ توحید کا ورد کرنے لگتیں، چلتا تو بادل سائبان بن جاتا، بیٹھتا تو درخت سلامی کے لئے حاضر ہونے لگتے، کسی کو جھنڈا عطا کرتا تو بادشاہت شکست خوردہ ہو کر قدموں

سے لپٹ جاتی، ناراض ہوکر دشمن کو ہلکی ضرب لگا تا تو میدان اس کی چیخ و پکار در دو کراہ سے لرزنے لگتا، کچھ نہ تھا مگر سب کچھ اسی کا تھا اور اسی میں تھا۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو☆ چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

نہ یہ ساقی ہو تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو☆ بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے☆ نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اگر وہ ہستی انتقام اور بدلہ کی خواہش اور تمنا رکھتی تو پہاڑ کے فرشتے سے یہ نہ ارشاد فرمایا جاتا، **ارجو ا ان یخرج الله من اصلابهم من يعبد الله وحده لا يشرک به شيئا** (بخاری) یہ میری قوم ہے جو مجھے نہیں جانتی، (لیکن مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ تعالی ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی اور اس ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی) قاتل حضرت حمزہؓ، وحشی سے قتل کے احوال سن کر امان نہ دی جاتی، وہ کفار مکہ جنہوں نے مکہ اور پھر مدینہ میں آپ کی زندگی کو مشکل بنا رکھا تھا، فتح مکہ میں ان سے یہ نہ فرمایا جاتا **لا تثریب علیکم الیوم** آج تم سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی، **اذهبوا انتم الطلقاء** جاؤ تم سب آزاد ہو۔

تحمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا وہ عظیم پہلو ہے جس کو ہم ہر موقع، ہر جگہ مشعل راہ بنا سکتے ہیں۔

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی پتھر برسائے ☆ اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

سم کے عوض دار وئے شفا دی، طعن سنے اور نیک دعا دی ☆ زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

☆------☆------☆

نظر فریب قضا کھا گئی تو کیا ہوگا ☆ حیات موت سے ٹکرا گئی تو کیا ہوگا

بزعم ہوش تجلی کی جستجو بے سود ☆ جنوں کی زد پہ خرد آ گئی تو کیا ہوگا

نئی سحر کے بہت لوگ منتظر ہیں مگر ☆ نئی سحر بھی جو کجلا گئی تو کیا ہوگا

نہ رہنماؤں کی مجلس میں لے چلو مجھ کو ☆ میں بے ادب ہوں ہنسی آ گئی تو کیا ہوگا

شباب لالہ و گل کو پکارنے والو ☆ خزاں سرشت بہار آ گئی تو کیا ہوگا

خوشی چھنی ہے تو غم کا بھی اعتماد نہ کر ☆ جو روح غم سے بھی اکتا گئی تو کیا ہوگا

یہ فکر کر کہ ان آسودگی کے دھوکوں میں ☆ تری خودی کو بھی موت آ گئی تو کیا ہوگا

لرز رہے ہیں جگر جس سے کوہساروں کے ☆ اگر وہ لہر یہاں آ گئی تو کیا ہوگا

جوان خون نئے کھیت سہی ☆ زمین فصل کو خود کھا گئی تو کیا ہوگا

وہ موت جس کی ہم احسانؔ سن رہے ہیں ☆ خبر رموز زیست بھی سمجھا گئی تو کیا ہوگا

وہ داستاں جو مصائب میں دفن ہے احسان ☆ زبان حلق پہ آ گئی تو کیا ہوگا

احسان دانش

جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

محمد فہیم قاسمی گورکھپوری

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

مولانا عمادالدین غوری سلطان محمد شاہ تغلق کے دور کے عالم تھے اور علاقہ نارنول کے مشائخ میں سے تھے، صالح عالم دین اور پرہیزگار شخص تھے، ان کے آباؤ اجداد عرب سے ایران آئے اور پھر غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ وارد ہند ہوئے، منقول ہے کہ مولانا عمادالدین غوری علوم سے دلچسپی نہ رکھتے تھے اور عنفوان شباب تک اس دولت سے محروم تھے، طاقتور اور زوردار آدمی تھے اور بڑے بڑے پہلوانوں کے ساتھ کشتی لڑا کرتے تھے، ایک دن اس نواح کے بڑے پہلوان کو شکست دے کر پر غرورانداز میں گھر جارہے تھے کہ راستے میں ایک عالم دین ملے انھوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر اظہار تاسف کیا اور طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ یہ انداز زندگی تمہارے جیسے شخص کو زیب نہیں دیتا، اس عالم دین کی بات سے نہایت شرمندہ ہوئے اور خجالت سے سر نیچا کرلیا، اب یکا یک زندگی کا رخ بدلہ اور کاروان حیات نئی راہ پر گامزن ہوا، حصول علم کی عنان توجہ مبذول کی اور نارنول میں شیخ محمد ترک سے منسلک ہوگئے اور اس کے بعد علم وفضل اور اتقاء صالحیت کی اونچی منزل تک پہنچے۔

مولانا عمادالدین غوری بے شمار اوصاف کے مالک تھے، اتباع سنت نبوی ﷺ میں بے نظیر تھے، علماء وصلحاء سے انتہائی تعلق خاطر تھا، کردار وسیرت میں عدیم المثال تھے اور اللہ ورسول کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت کے قائل نہ تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ جن دنوں سلطان محمد تغلق سلطنت کے نشے میں سرمست تھا اور غرور وتکبر میں مبتلا ہوگیا تھا ان دنوں کی بات ہے کہ ایک روز اس نے ان سے کہا کہ جب فیض الٰہی غیر منقطع ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ فیض نبوت منقطع ہوجائے، اب بھی اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے معجزات کا صدور بھی ہوتا ہے، آپ اسے مانیں یا نہ مانیں، مگر وہ اپنے دعویٰ میں بالکل صادق ہوگا، اس پر مولانا عمادالدین کو اس قدر غصہ آیا کہ اپنے آپ پر قابو نہ پاسکے، فوراً بادشاہ سے کہا:

گہہ مخور چہ می گوئی۔

یعنی گندگی نہ کھاؤ، کیا بکواس کررہے ہو؟

اس انداز گفتگو کو محمد شاہ تغلق برداشت نہ کرسکا حکم دیا کہ تلوار سے اس شخص کی گردن اڑادی جائے اور زبان گدی سے کھینچ لی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (فقہائے ہند ج/اول)

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
قوم پرستی بغیر نقاروں کے

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور شمالی ہندوستان کے بعض شہروں کا دورہ اس غرض سے کررہے تھے کہ اپنے مدرسہ کے لئے مالی امداد حاصل کریں، اس سلسلے میں وہ دہلی تشریف لائے تھے، ان کے مدرسہ پر بقدر ۶۰ ہزار روپیہ کے قرضہ کا بار تھا، اور اس بار

سے سبکدوش ہونے کے لئے انھوں نے باوجود ضعف پیری اور خرابی صحت شمالی ہندوستان کا دورہ شروع کیا تھا، دہلی میں ان کو حسب ذیل گمنام خط موصول ہوا۔

جناب محترم ٦٠ ہزار روپئے کی ایک ہنڈی ملفوف ہے، غالباً شانتی نکیتن کے بجٹ میں اسی قدر خسارہ ہوا ہے، جس کو پورا کرنے کے لئے آپ جابجا آرٹ کی نمائش کررہے ہیں، جب ہم نے یہ سنا تو ہم کو شرم آئی، ہمارا خیال یہ ہے کہ اس عمر اور صحت کی موجودہ حالت میں آپ کو سفر کی اس قدر صعوبت برداشت نہ کرنی چاہئے، ہم اس امر کے معترف ہیں کہ ہم آپ کے مدرسہ کے حالات سے بہت کم واقف ہیں، ہم نے اس کا صرف نام ہی سنا ہے؛ لیکن ہم آپ کی اس شہرت سے بے خبر نہیں ہیں جو آپ کو اس زمانہ کے شاعر اعظم کی حیثیت سے حاصل ہے، آپ کے اشعار ہمیں عہد قدیم کے رشیوں کے گیت کی یاد دلاتے ہیں، آپ نے اپنی بے مثال قابلیت سے ہمارے ملک کی عزت بڑھادی ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان لوگوں کو جن کو خدا نے دولت دی ہے چاہئے کہ آپ کو اس بارسے میں سبکدوش کریں اور آپ کے مدرسہ کے لئے مطلوبہ رقم مہیا کردیں، ہمارا یہ چندہ اسی مقصد کی ایک عاجزانہ کوشش ہے، ہم اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے؛ مگر امید کرتے ہیں کہ اب آپ اپنا سفر ترک کرکے واپس تشریف لے جائیں گے، ہم آپ کی درازی عمر کے لئے دعا کرتے ہیں، تاکہ آپ اپنے ملک کی خدمت انجام دیتے رہیں۔

راقم آپ کا حقیر ہم وطن

یہ واقعہ، یہ خط اور یہ ٦٠ ہزار روپیہ کی گمنام ہنڈی اپنے اور مسلمانوں کے لئے ۔۔۔۔۔اور تمام لمبی زبان والے۔۔۔۔قوم پرستوں کے لئے سرمایہ عبرت رکھتی ہے، یہاں حال یہ ہے کہ قوم کے لیڈر جھوٹے اور سچے دونوں اہل دول کے دروازوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں، وہاں حال یہ ہے کہ بغیر مانگے ملتا ہے یہاں حال یہ ہے کہ دس روپیہ بلکہ دس آنے چندہ دے کر ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا نام پانچ دفعہ اخبار میں چھپ جائے وہاں حال یہ ہے کہ ہزاروں اور لاکھوں کی ہنڈیاں گمنام پیش کردی جاتی ہیں، ببیں تفاوت را'' سبق آموز اور عبرت انگیز ہے۔(صدق)

میری غیرت ہمہ گیر نے مجھے ترے در سے اٹھادیا

ہمایوں نے اپنے باپ کی وفات کے بعد ٩/جمادی الاولی ٩٣٧ھ (٢٩/دسمبر ١٥٣٠) کو آگرہ میں ادھر ہندوستان کا تاج شاہی اپنے سر پر رکھا اور ادھر مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس کے بھائی بھی مخالفوں میں شامل تھے، لیکن مخالفین کے مقابلہ میں ہمایوں کا رویہ فراخ دلانہ تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مخالفین میں سے کچھ لوگ والئی گجرات سلطان بہادر سے جاملے، ہمایوں نے بار بار سلطان بہادر کو خط لکھ کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا؛ مگر اس نے ہمیشہ نفی میں جواب دیا اور ہمایوں کے خطوط کی کوئی اہمیت نہ دی۔ مجبوراً ہمایوں کو تسخیر گجرات کا ارادہ کرنا پڑا، اس کے لئے وہ آگرہ سے روانہ بھی ہوگیا، مگر جب اسے معلوم ہوا کہ سلطان بہادر خود چتوڑ کا محاصرہ کئے بیٹھا ہے، تو وہ سارنگ پور میں رک گیا، اور اس کے اخلاق شجاعت نے اجازت نہ دی کہ ایسے وقت میں جب کہ سلطان بہادر خود چتوڑ کے محاصرے میں مصروف اور دشمن سے برسرپیکار ہے، اس پر فوج کشی کی جائے۔ اس کو دشمن سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لینا، ہمایوں نے شیوۂ مردانگی کے خلاف گردانا۔

(فقہائے ہند رج ٣/ص ٤٦٨)

کرم فرما کا خط

مولانا بشارت نواز صاحب
رکن شوری مکتبہ جبریل

حضرت مولانا محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کی طرف سے ماہنامہ المناظر کا پہلا شمارہ موصول ہوا۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس علمی کاوش سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا اور ساتھ ہی اس کے متعلق تاثرات پیش کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کو حرف بحرف پڑھنے کا موقع ملا۔

اداریہ میں المناظر کے مقاصد پڑھ کر خوشی ہوئی، سلطان القلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے بہت احسن انداز میں ان کی نایاب تحریریوں کو جمع کر کے شائع کرنے کا عزم کیا ہوا ہے، نقوشِ گیلانی کی پہلی جلد آپ کے اس عزم مصمم پر دال ہے۔ اس کی بقیہ جلدوں کا بھی شدت سے انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں کامیاب فرمائے اور "المناظر" کو اس مقصد میں ممد اور معاون بنائے۔ اس میں یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ اسباب وسائل کے فقدان کی وجہ سے یہ ماہنامہ صرف پی ڈی ایف میں شائع ہوگا، دعا ہے کہ یہ مفید رسالہ، جلد برقی لہروں سے بڑھ کر زمین پر اتر کر شائع ہوتا ہوا نظر آئے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے مضمون کا انتخاب بھی نہایت عمدہ رہا۔ آپ ﷺ کی سیرت میں معاشرے کے ہر فرد کے لیے رہنمائی کا سامان ہے، اس مضمون میں اس کا جامع بیان ہے۔ اسی طرح مفتی محمد طالب قاسمی گورکھ پوری صاحب کا مضمون "مدینہ مارکیٹ الخ" اسلام میں تجارت کی اہمیت کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ عموما معاملات کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا، ایسے ذہنوں کے لیے اس مضمون میں کافی سامان ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے مضمون کا تو کیا ہی کہنا۔

مولانا سعید اللہ قاسمی صاحب کا مضمون "مسلمانانِ ہند آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد" بھی بہت عمدہ ہے۔ مضمون نگار نے اس مضمون میں مسلمانوں کی تین صدیوں پر مشتمل آزادی کی کوششوں اور قربانیوں کا نہایت جامع انداز میں تذکرہ کیا ہے، جو دریا بکوزہ کی بہترین مثال ہے۔

"محبتوں کے نادر نمونے" کے نام سے آپ کا مضمون ''نقوشِ گیلانی'' کا مرتب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ مولانا محمد عبداللہ قاسمی صاحب کا "ووٹ اور ہماری ذمہ داری" کے نام سے مضمون بروقت معلوماتی مضمون ہے۔ مجموعی اعتبار سے رسالہ بہت عمدہ ہے اور ادبی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مہینہ اس کا اجراء ممکن بنائے۔ آمین

نعت پاک

حمید صدیقی

وہ عجیب وقت تھا جب چلے تھے دیار نکہت و نور سے
وہ عجب سماں تھا جدا ہوئے تھے جو آستان حضور سے

بصد اضطراب درود پڑھنا مرا وہ کیف و سرور سے
کبھی جالیوں کے قریب سے کبھی ہٹ کے سامنے دور سے

وہ نظر نواز تجلیاں وہ سکوت دل وہ سکون جاں
یہ کیسے مجال ملا سکے جو نظر کو پردۂ نور سے

وہ خنک نسیم وہ صبح دم، وہ اذاں کے نغموں کا زیرو بم
جسے دیکھئے وہ کھڑا ہے شوق میں محو ذکر حضور سے

کرم اور کرم کی وہ بارشیں، وہ عنایتیں وہ نوازشیں
جو کسی کو جلوؤں کی تابشیں ، نظر آئیں حجلۂ نور سے

کبھی مجھ کو محو نہ کر سکے یہ رباب و چنگ کے زمزمے
کہ دل اپنا مست ہے باغ طیبہ کے نغمہ ہائے طیور سے

ہے میری نگاہ میں آج بھی وہ دل کشی شب ماہ کی
وہ فضا میں چھٹکی ہے چاندنی جو ضیائے قبۂ نور ہے

مجھے بیر غرس(ا) کی چاہ ہے مری تشنگی ہی گواہ ہے
یہ وہ تشنگی نہیں تشنگی جو بجھے شراب طہور سے

جبل احد کے نظارہ کی ہے نگاہ شوق کو آرزو
نہ خیال باغ نعیم کا، نہ ہے ذوق منظر طور سے

کبھی زائرین حرم اگر، سوئے دشت بدر بھی ہو گزر
تو سلام کہنا مری طرف سے وہاں کے اہل قبور سے

کہوں کس سے راز غم نہاں کہ ہے اشک آنکھوں سے کیوں رواں
وہ سکون قلب نہیں یہاں جو وہاں تھا قرب حضور سے

جو تڑپ حمید ہے آج کل اسی دھن میں آئے مجھے اجل
مرے لب پہ ہو گی یہی غزل جو اٹھوں گا شور نشور سے

(ا) یہ کنواں مسجد قبا سے مشرقی جانب نصف میل پر واقع ہے۔انتخاب از: کاروان مدینہ